فہرست

دیباچہ:

مصنف: عدنان خان

یہ **my work on Islam** کا دوسرا

جلد ہے ۔

اس میں مختلف مسائل کے بارے میں اپنی سمجھ اللہ کے

توفیق سے لکھی ہے ۔

اگر میں کسی مسئلہ میں خطا کر چکا ہو تو یہ میری اور

شیطان کی طرف سے ہے ، اللہ اور اسلام مجھ سے بیزار ہے ۔

اور اگر حق تک پہنچا ہوں تو یہ خالص اللہ کی طرف سے

ہے ۔

اس میں مسائل کو ترتیب وار سے نہیں لکھا گیا ہے ۔

● قبر سٹیج یا برزخ زندگی والے ہماری پکار سے قیامت تک غافل ہے؟

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝

46:5 :ترجمہ

اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور انکو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو ؟

یہ آیت خاص برزخِ زندگی میں رہنے والوں کے بارے میں

ہے ۔ کیونکہ "الی یوم القیامہ" کی قید لگائی گئی ہے ۔ بت

عادۃً ہمیشہ جواب نہیں دے سکتے اور غافل ہے اور آیت

کریمہ میں قیامت تک کی قید لگائی گئی ہے۔ فرشتے تاحال

بھی جواب دے سکتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے مفہوم:

کہ جب غائب بھائی کے لئے دعا کی جائے تو فرشتے آمین

کہتے ہیں اور کہتے ہیں تمھارے لئے بھی ایسا ہو۔ زندہ

انسان بھی جواب دے سکتے ہیں ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ

اللّٰہ کی مشیت کے بغیر جواب نہیں دے سکتے تو وہ بھی

ہمیشہ نہیں دے سکتے ، قیامت تک کی قید لگانے کی

ضرورت نہیں تھی پھر --

لہٰذا یہ آیت خاص برزخِ زندگی میں رہنے والوں کے بارے

میں ہے -

اس آیت میں اور مناسب احتمال نہیں ہے اس لئے یہ آیت

ایک قطعی دلیل ہے اور اس لئے اس آیت سے کسی کو

مستثنیٰ کرنے کے لئے یا تو قرآن کی آیت کی ضرورت ہے یا

پھر متواتر حدیث کی -

جو خبر واحد احادیث مذکورہ آیت کے خلاف ہو ان

ًاحادیث میں مناسب تاویل کیا جائے گا ۔ مثلا

. تمھارا درود مجھ ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے

یہ حدیث سوال مقدرہ کا جواب ہے۔ کیا درود آپ ﷺ کی

زندگی پر خاص ہے یا وفات کے بعد بھی درود شریف کا

ایصال ثواب پہنچے گا، اسی کا جواب دیا گیا ہے کہ تمھارا

درود مجھ ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے ۔ یعنی ایصال ثواب

پہنچتا ہے یعنی درجات بلند کئے جاتے ہیں ۔ ضائع نہیں

.. جاتا

اسی طرح ہفتے سے جمعرات تک درود شریف جمع کئے جاتے

ہیں اور جمعے کے دن پیش کئے جاتے ہیں یعنی درجات بلند

کئے جاتے ہیں ۔

یہ مطلب نکالنا کہ نبی ﷺ کو پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں

نے درود شریف مجھ ﷺ پر پڑھا ہے ۔ یہ مذکورہ آیت

کے بھی منافی ہے اور حدیث کے بھی جس میں نبی ﷺ

نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اپنے بھائی عیسیٰ علیہ

السلام کی طرح گواہی دوں گا کہ جب تک ان میں موجود

تھا میں خبر رکھتا تھا جب تو نے وفات کیا پھر تو ہی

نگران تھا۔۔

اگر مذکورہ آیت سے نبی کریم ﷺ مستثنیٰ ہوتے تو نبی

ﷺ قیامت کے دن یوں گواہی دیتے کہ فلاں مجھ پر درود

پڑھتا تھا باقی مجھے نہیں پتہ ۔۔

جو احادیث مذکورہ آیت کے صریح خلاف ہے اور ان میں

مناسب تاویل بھی نہیں کیا جا سکتا تو وہ احادیث ضعیف

ہوں گے ان کے سند کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے

۔

کسی شخص کو دعا کے لئے کہنا کہ میرے لئے اللہ سے

مغفرت طلب کریں جائز ہے ۔

عمر رض نبی ﷺ کو دعا کے لئے کہتے جب آپ ﷺ

وفات پا گئے تب عباس رض کو دعا کے لئے کہتے ۔

اگر نبی ﷺ مذکورہ آیت سے مستثنیٰ ہوتے تو آپ ﷺ

کے قبر کے قریب دعا کے لئے کہنا جائز ہوتا۔۔ لیکن عمر

رض نے نبی ﷺ سے دعا طلب نہیں کی ۔ یہ ایک واضح

دلیل ہے کہ نبی ﷺ مذکورہ آیت سے مستثنیٰ نہیں ہے

۔

برزخِ زندگی میں رہنے والے اس دنیا میں رہنے والے کی پکار کا

عادۃً جواب نہیں دے سکتے ، جواب تو کیا قیامت تک

غافل ہے ۔

غفلت کی کئی وجوہات ہو سکتی ہے ۔ یا تو انسان مصروف

ہوتا ہے، یا ہماری ساؤنڈ فریکوئنسی ان کے لئے آڈیبل نہیں

ہوتی یا دور ہوتا ہے۔

لیکن مذکورہ آیت کہتا ہے کہ غافل یقینی ہے ۔ اب اس

بات کا کوئی فائدا نہیں ہوا کہ برزخِ زندگی میں رہنے والے

کو ہماری آواز عادۃً سنائی دیتی ہیں یا نہیں کیونکہ اگر

سنائی دیتی بھی ہے تو فائدا کیا ہوا جب غافل ہے ۔ اور

قرآن وہ بات نہیں بتاتا جس کا فائدا نہ ہو۔ اس لئے قرآن

نے صاف لفظوں میں یہ نہیں کہا کہ انہیں سنائی دیتی

ہیں یا نہیں ۔

:نوٹ

ایک اصل حقیقت ہوتی ہے جسے اللّٰہ ہی بہتر جانتا ہے اور

ایک بقدر ضرورت حقیقت ہوتی ہے جو عقل سلیم اور

محکمات کے مطابق ہوتی ہے ۔ مذکورہ مفہوم بقدر ضرورت

حقیقت ہے ۔ جبکہ برزخ زندگی کی اصل حقیقت کے بارے

میں اللّٰہ تعالیٰ نے "لا تشعرون" کا صیغہ لگا دیا ہے ۔ یعنی

متشابہات میں سے ہے ۔

میرے نزدیک بعض اہل علم برزخ زندگی کی اصل حقیقت

کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ برزخ زندگی

اور جنت کی زندگی بہت مختلف ہے کہ حدیث میں ہے

مفہوم: جنت میں ایسی نعمتیں ہیں کہ کسی انسان نے

اس کا تصور بھی نہیں کیا ہے۔

برزخ زندگی کی بقدرِ ضرورت حقیقت کا مقصد یہ ہے کہ

برزخ زندگی میں رہنے والوں کو دعا کے لئے کہنا لغو اور

فضول کام ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کے وہ طریقے اپنائیں جو

قرآن و حدیث سے ثابت ہے ۔

رہی بات حیات اور موت کی ۔ تو یہ قرآن میں کئی معنی

پر استعمال ہوا ہے ۔

روح اور دنیاوی بدن جب ملے ہو اور نیکی کا موقع میسر ہو

تو اس کو عادۃً حیات کہتے ہیں اور جب روح دنیاوی بدن

سے جدا ہو کر پرندے کے جوف میں چلا جائے اور نیکی

اور ایمان کا موقع ختم ہو جائے تو اس کو عادۃً موت کہا

گیا ہے ۔

مقصد کی زندگی گزارنے کو حیات کہا گیا ہے ۔ اور بے

مقصد زندگی گزارنے کو موت کہا گیا ہے ۔ شہید مر کر

بھی نیکیاں کما رہا ہے یعنی مقصد کی زندگی گزار رہا ہے

اس لئے زندہ ہے --

آخرت میں زندگی کا مقصد جنت ہے اور جہنمی چونکہ بے

مقصد زندگی گزار رہا ہے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے

کہ ان کو نہ دھریہ والا موت آنی ہے کہ ہمیشہ کے لئے فنا

اور غیر موجود ہو جائے اور نہ اصل موت جس میں جدائی

ہوتی ہے یعنی جہنم سے جدا نہیں ہوں گے اور نہ زندگی

زندگی جیسی ہوگی بے مقصد زندگی جو گزار رہے ہوں گے ۔

(اِنَّهٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی ۞

20:74

برکات والی نعمتوں اور خوشحالی میں رہنے کو حیات کہا گیا

ہے جیسے کہ شہداء برکات والی نعمتوں میں جی رہے ہیں تو

اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کو اموات نہ کہنا

بلکہ احیاء کہنا کہ خوب نعمتوں کے سرور میں ہے

.

رہی وہ موت جو انسان کے کامن سینس میں ہوتا ہے اس کا وجود ہی نہیں ہے یہ تو دھریہ کا نظریہ ہے کہ بس فنا اور غیر موجود ہو جائیں گے ۔

موت میں اصل چیز عارضی جدائی ہے اور نیکی کا موقع گنوانا ہے۔ باقی تقریباً سب اوہام ہے۔ مثلاً میری اولاد کا کیا ہوگا ۔۔ تو تمھاری اولاد کا پہلے بھی اللّٰہ ہی رب تھا اور آئندہ بھی اللّٰہ ہی رہے گا ۔۔ وغیرہ

واللہ تعالیٰ اعلم

آخرت کے بارے میں صحیح اور غلط نظریہ ●

یہود و نصاریٰ کو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ تو اللہ اور آخرت کو مانتے ہیں۔

جواب:

ان کا اللہ کی معرفت میں بھی گڑبڑ تھی اور آخرت بھی اپنی

مرضی سے مانتے تھے ۔

یہود کا آخرت کے بارے میں نظریہ یہ ہے کہ بس کچھ دن

جہنم میں رہیں گے پھر ویسے بھی نکل جائیں گے

۔

نصاری کا نظریہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے لاڈلے اور محبوب ہے

لہٰذا اللہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے ۔

آخرت کے بارے میں یہ دونوں نظریات ناقص ہے اور

گناہوں کے بارے میں بے فکر کرتے ہیں ۔ اس لئے ان کو

اللہ اور آخرت پر (صحیح) ایمان لانے کی ترغیب دی گئی

ہے ۔

مومن کا آخرت کے بارے میں نظریہ امید اور خوف کے

درمیان ہے ۔ امید نیکی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور خوف

گناہوں کو نیکیوں سے مٹانے کی طرف متوجہ کر دیتا ہے

۔

مومن گناہ توبہ(گناہ کو نیکی سے مٹانے) کی امید پہ کرتا

ہے ۔ لمبی امید سے پرہیز کرتا ہے ۔ کان کھینچنے کو توبہ

نہیں کہتے ۔ اپنی استطاعت کے مطابق یہ کوشش کرتا ہے

۔کہ اللّٰہ تقدیر میں مومنین میں لکھ دے

دل آزاری ، چرس وغیرہ سمگلنگ سے پرہیز کریں)

(۔ کیونکہ ان کا ازالہ مشکل ہے

جبکہ یہود اس لئے گناہ کرتا ہے کہ بس کچھ دن جہنم میں

۔ رہیں گے پھر ویسے بھی نکل جائیں گے

اور نصاری گناہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہم اللّٰہ کے لاڈلے اور

محبوب ہے ہمیں معاف کریں گے ۔۔ یہ دونوں نظریات

انسان کو جانور یا اس سے بھی بدتر بناتا ہے ۔ اس لئے

قرآن میں ارشاد ہے کہ یہ جانور کی طرح ہے یا اس سے بھی

بد تر ۔

آخرت پر صحیح ایمان لانے سے انسان میں بہت انقلاب

آتا ہے ۔ اس لئے اپنی اولاد کو صرف آخرت پر ایمان لانے

کا مت کہہ بلکہ آخرت کے بارے میں صحیح اور غلط

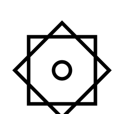
نظریہ بھی سیکھائیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

آخرت کے بارے میں یہود و نصاری کا نظریہ:

گناہ کس نیت سے کرتے تھے

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰى نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ‌ ؕ قُلۡ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ‌ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ‌ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ



5:18:ترجمہ

اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لاڈلے اور محبوب ہیں ۔ کہو کہ پھر وہ تمہاری بداعمالیوں کے سبب

تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے ؟ (نہیں) بلکہ تم اس کی

مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو۔ وہ جیسے

چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور آسمان اور زمین

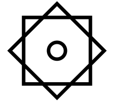
اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت

ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ

اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا

تَعْلَمُوْنَ



2:80:ترجمہ

اور (یہود) کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے

سوا چھو ہی نہیں سکے گی، ان سے پوچھو کیا تم نے اللّٰہ

سے اقرارلے رکھا ہے (کہ گناہوں پر چند دن سے زیادہ عذاب

نہیں دیں گے) کہ اللّٰہ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا ؟

(نہیں) بلکہ تم خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو

جن کا تمہیں مطلق علم نہیں

جس کا خاتمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ پر ہوا تو اس نے اللّٰہ کے ساتھ

عہد کر لیا وہ ہمیشہ کی عذاب سے بچ گیا ۔

جو زندہ ہے وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ پر خاتمے کے لئے شرعی کوشش کریں کیونکہ ایمان خاتمے پر موقوف ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ہم اللّٰہ کے محبوب ہیں:

▪ یہ جملہ مطلقاً مذموم نہیں ہے

▪ گناہ پہ نڈر ہونے کے لئے مذموم ہے

یہ مذکورہ جملہ نیکی اور توبہ کی ترغیب کے لئے قابل

تعریف ہے ۔

بعض اوقات انسان جب نیکی اور توبہ کے لئے متوجہ ہوتا ہے

تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ اب تیری نیکی کا کیا فائدہ

اتنے گناہ کرنے کے بعد ۔۔ تب یہ جملہ اور مغفرت ،

رحمت والی آیات اور احادیث کی صدا آتی ہے کہ تیری نیکی

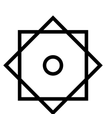
کی اللہ کے ہاں بے انتہا قدر ہے چاہے ہزار گناہوں کے بعد

ہی کیوں نہ ہو اور آئندہ بھی گناہ کا ارادہ ہو ۔۔

واللہ تعالیٰ اعلم

• حاکمیت:

َوَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ

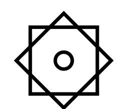


5:44:ترجمہ

۔ اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق

۔فیصلہ نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ

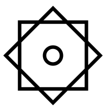

الظّٰلِمُوۡنَ

5:45:ترجمہ

اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے

مطابق فیصلہ نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں۔

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ


الۡفٰسِقُوۡنَ

5:47:ترجمہ

اور جو خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔

اللہ کے قوانین کے علاوہ کسی اور قانون پر فیصلہ کو حق سمجھنا کہ یا اللہ کا قانون یا انسانوں کا بنایا ہوا قانون،، کیا فرق پڑتا ہے ۔۔ یہ کفر ہے ۔

اس میں ایک اور اہم اور باریک بات بتاتا چلوں کہ اگر انسان کا بنایا ہوا ایک قانون اللہ کے قانون کے موافق ہے اور اس قانون پر عمل کرنے کو حق سمجھا جاتا ہے انسان

کے بنائے ہوئے قانون کی وجہ سے نہ کہ اللّٰہ کے قانون کی

وجہ سے تو یہ بھی شرک ہی ہے ۔

اس کو شرک فی الحاکمیت کہتے ہیں ۔ (اِنِ

الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ)۔

مخلوق کے آرڈر ماننے کو اصل میں اللّٰہ کے حکم کی وجہ

سے مانا جاتا ہے ۔ ہم صرف اور صرف اللّٰہ کے حکم کے

پابند ہیں اور اس کو حق مانیں گے ۔

مثلاً

اللّٰہ فرماتا ہے (اَطِيْعُوا اللّٰهَ - **4:59**) کہ اللّٰہ کے

۔احکامات تسلیم کرو

اب سوال یہ ہے کہ اللّٰہ تو ہم سے کلام نہیں کرتا تو کیسے

۔ جانیں گے اللّٰہ کے احکامات کیا ہیں

پھر پتہ چلتا ہے کہ آسمانی کتابوں میں اللّٰہ کے احکامات

ہیں تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ تورات ، انجیل وغیرہ ؟ تو

جواب آیا ہے

۔(وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ - **4:59**) آخری پیغمبر ﷺ پر

جو اتارا گیا ہے یعنی قرآن و حدیث۔ رسول اللّٰہ ﷺ کو

قرآن و حدیث سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۔ قرآن و حدیث

کو اللہ کے احکامات سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

۔(وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ - **4:59**) یعنی حکم والے ۔ اس

میں حضرت محمد ﷺ ، بادشاہ، ماں باپ ، خاوند،

مالک وغیرہ کے جائز احکامات اصل میں اللہ کے احکامات

ہیں ۔ ان کے جائز احکامات ماننا اصل میں اللہ کے

احکامات ماننا ہے ۔

اللہ کی ربوبیت ایسی ہے کہ اللہ ماں باپ، خاوند، وغیرہ

سے جائز احکامات تمھارے فائدے کے لئے جاری کرتا ہے ۔

جب ناجائز احکامات جاری کریں تو اس میں آزمائش ہوتی

ہے ۔

نوٹ: اللّٰہ کے قوانین اور احکامات کو حق سمجھتے ہوئے

عمل نہ کرنا گناہ ہے کفر و شرک نہیں ہے ۔

اسی طرح مخلوق کا ناجائز حکم ناحق سمجھ کر عمل کرنا

گناہ ہے کفر و شرک نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

• حاکمیت کا مسئلہ:

1) ایک شخص اللہ کا ہی فیصلہ کسی پر نافذ کروانا چاہتا ہے لیکن نیت اللہ کی رضامندی نہیں بلکہ ذاتی انتقام وغیرہ ہے تو یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے ۔

2) ایک شخص اپنی خواہش کا فیصلہ نافذ کروانا چاہتا ہے اور اس کو حق بھی سمجھتا ہے تو یہ شرک فی الحاکمیت ہے چاہے اس کا فیصلہ اللہ کے فیصلے کے موافق ہو۔ کیونکہ یہ موافقت اتفاقاً ہے اس شخص کا اللہ کے فیصلے سے کوئی

لینا دینا نہیں ہے اگر اللّٰہ کا فیصلہ اور ہوتا تب بھی یہ اپنی خواہش کا فیصلہ ہی نافذ کرواتے۔ اس لئے قرآن میں ارشاد ہے مفہوم: انصاف کرنے میں اپنی خواہش کی تابعداری مت کریں ۔

اگر اپنی خواہش کا فیصلہ نافذ کرنے کو ناحق سمجھتا ہے تو شرک نہیں ہے۔

مجتہد اپنی اجتہاد میں اللّٰہ کا فیصلہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے نہ کہ اپنی خواہش کا۔ جب اپنی اجتہاد میں خطا کر بیٹھتا ہے تو کوشش پر ایک اجر لکھا جاتا ہے

اور خطا معاف ہے کیونکہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق

مکلف ہے۔ اور اگر حق تک پہنچتا ہے تو دگنا اجر ہے۔ ایک

کوشش کا اور دوسرا حق تک پہنچنے کا۔

بعض حدیث قرآن کی طرح مستقل وحی کے ذریعے نازل کی

گئی ہے ۔

اور اسی نازل کردہ قرآن و حدیث میں خاتم النبیین

حضرت محمد ﷺ کا اجتہاد بھی حدیث کہلاتا ہے (واللہ

تعالیٰ اعلم)۔ کیونکہ پیغمبر کی مطلق تابعداری کا حکم

اللہ نے کیا ہے کوئی شرط نہیں لگائی ہے کہ اگر بالفرض و

تقدیر اجتہاد میں خطا کر بیٹھیں تو پھر تابعداری نہ کریں ۔ نہیں بلکہ مطلق تابعداری کا حکم ہے، اجتہادی خطا کے باوجود بھی تابعداری کی جائے گی۔ کہنے کا ایک اور مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اجتہاد بھی حجت اور دلیل ہے ۔

نبی کریم ﷺ کو دو اعمال میں اختیار دیا جاتا تو اللہ کے خوف سے آسان عمل منتخب کرتے کہ قرآن میں ارشاد ہے مفہوم: دین میں تنگی نہیں ہے ۔

اپنی خواہش کے لئے آسان عمل منتخب کرنا اور اللّٰہ کے لئے

آسان حکم منتخب کرنے میں فرق ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## توحید کا پیمانہ:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه توحید کا پیمانہ ہے ۔

اگر اللّٰہ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے علاوہ آپشن مل گیا تو

مطلب توحید میں نقصان آگیا ۔

گھٹنے ٹیکنے کے طریقے اللّٰہ نے قرآن و حدیث میں

سیکھائیں ہے ۔ خود سے ایجاد کردہ طریقہ یعنی بدعت اللّٰہ

کو منظور نہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● نیت اور اخلاص:

نیت:

إِنَّمَا الْأَعْمَال بِالنِّيَّاتِ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: (جائز) اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیتوں پر ہے

۔

ایک شخص کھونٹی زمین میں گاڑ رہا ہے تاکہ لوگ سواری

اس پر باندھے اور یوں اللہ راضی ہو جائے ۔ تو اس نیت

پر ثواب ملے گا ۔

ایک شخص کھونٹی گاڑ رہا ہے تاکہ کوئی اس پر گر جائے

تو اس نیت کی وجہ سے اس عمل پر گناہ ملے گا ۔

ناجائز چھوڑ کر جائز میں اپنی خواہش پوری کرنے پر بھی

اجر ملتا ہے ۔

نوٹ: عمل کا جائز ہونا بھی ضروری ہے پھر نیت کا صحیح

ہونا ۔

متعدد نیتیں:

ایک عمل میں متعدد نیتیں کی جا سکتی ہے ۔ مثلاً

ایک شخص سیر و تفریح کے لئے نکلتا ہے تو اس کو سیر و

تفریح کا فائدہ حاصل ہوگا۔

اور اگر کوئی نکلتے وقت سیر و تفریح کے ساتھ یہ نیتیں

بھی کریں کہ پڑوسیوں کا حال معلوم کروں، مدد کروں ،

راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹاؤں، سلام کا جواب دوں وغیرہ

تو ان سب نیتوں کا اجر ملے گا ۔

نیت علماء کرام کی تجارت ہے

نیت میں واسطے:

نیت میں اگر واسطے ہو اور واسطے کی انتہا اللّٰہ تک پہنچتا

ہو تو اس نیت کا اجر ملے گا ورنہ نہیں مثلاً

کوئی اہل بیت سے محبت کرتا ہے محمد ﷺ کی وجہ سے

اور محمد ﷺ سے محبت کرتا ہے اللہ کی وجہ سے ۔ ان

واسطوں کی انتہا اللّٰہ تک پہنچتا ہے اس لئے اس پر اللہ اجر

دے گا۔

اگر اہل بیت اور محمد ﷺ سے محبت کرتا ہے تاکہ

لوگ اسے عاشق رسول ﷺ کہے تو اس نیت میں انتہا اللّٰہ

تک نہیں پہنچا اس لئے اس کا اجر و ثواب نہیں ۔ بس

عاشق رسول ﷺ کہلائے جاؤگے اتنا ہی فائدہ ہے۔

اسی طرح خدمت خلق ، ماں باپ کو جائز طریقے سے راضی

کرنا وغیرہ ان میں اگر کئی واسطے ہوں اور سب کی انتہا

اللّٰہ تک پہنچتا ہے تو اجر و ثواب ملے گا ورنہ شائد دنیا کا

ہی فائدہ ملے گا وہ بھی ضروری نہیں۔ اور دنیا جتنی بھی

زیادہ مل جائے آخرت کے مقابلے میں قلیل اور کم ہے۔

جبکہ اللہ کے پاس لازوال نعمتیں ہیں ۔ اللّٰہ کی شان کو

دیکھ کر دنیا کی نعمتوں پر مطمئن ہونا اعلی درجے کی

جہالت ہے۔ دنیا کی تقدیر اور اندازہ بورنگ ہے ۔ اس لئے

اللہ سے اس کی شان کے مناسب مانگا کریں اور اللہ کی

رضامندی سے بڑھ کر کچھ نہیں اس لئے ہر عمل میں اللہ

کی رضامندی کو ترجیح دو باقی چیزوں کو بونس بناؤ ۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبہ - 72)

نوٹ: دنیا کی نعمتوں پر مومن بھی راضی اور خوش ہوتا ہے

لیکن مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ اللہ کی معرفت مومن کو

حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کے پاس دنیا سے بہتر اور لازوال

نعمتیں موجود ہے اسی لئے آخرت کی تیاری کرتا ہے کہ

بہترین اور لازوال نعمتیں اللہ کی رضامندی پر موقوف ہے

اور آخرت کا گھر ان کے لئے بہتر ہے جن سے اللہ راضی ہو

جائے ۔ مومن دنیا میں تھوڑے پر عقلی طور پر راضی ہوتا

ہے ۔

اخلاص:

اللہ کی رضامندی کی طلب کو اخلاص کہا جاتا ہے ۔ اس

کو احسان اور تزکیہ نفس بھی کہتے ہے ۔

خالص اللہ سے اجر کی امید رکھنا اخلاص ہے۔ مخلوق سے

اجر کی امید رکھنا اخلاص کے منافی ہے مثلاً ریاکاری میں

مخلوق سے عزت اور شاباشی کی امید ہوتی ہے۔ یہ اخلاص

کے منافی اس لئے ہے کیونکہ مخلوق کے اختیار میں عزت

نہیں ہے اس لئے ریاکاری کو شرک اصغر کہا گیا ہے مخلوق

کو عزت اور ذلت کا اختیار مند سمجھا جاتا ہے ۔ روایت

میں ہے مفہوم: قیامت کے دن ریاکار کو کہا جائے گا جاؤ

جن کے لئے دکھاوا کرتے تھے انہی سے اجر و بدلہ حاصل

کرے۔۔ کیونکہ اجر کی امید لوگوں سے وابستہ رکھی تھی

۔

وَاجۡعَلۡ لِّىۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِى الۡاٰخِرِيۡنَۙ ۞ الشعراء - **84**

ترجمہ: اور بعد کے آنے والوں میں مجھے سچی ناموری عطا فرما۔

ابراھیم علیہ السلام نے اللہ سے دعا مانگی لیکن یہ محمود ہے کیونکہ ابراھیم علیہ السلام نے اللہ کو عزت دینے کا اختیار مند سمجھا ۔

عمل میں شرک بھی اخلاص کے منافی ہے کہ ایک ہی عمل میں اللہ سے اجر کی امید بھی ہو اور مخلوق سے اجر کی امید بھی ہو اس پر اللہ کے ہاں اجر نہیں ۔

اسی طرح پانی اس نیت سے پینا کہ پانی (مخلوق) میری
پیاس بجھائے تو یہ بھی اخلاص کے منافی ہے کیونکہ اجر
کی امید اللّٰہ سے نہیں بلکہ پانی (مخلوق) سے ہے یہ دھریہ
کی طرح نظریہ اور عمل ہے۔ اگر اس نیت سے پیا جائے کہ
اللہ میری پیاس بجھائے، یہ بھی اخلاص ہے کیونکہ نظریں
اور امیدیں اللّٰہ سے وابستہ ہے ۔ آپ نے دیکھا کہ بدلہ
پیاس بجھانا ہی تھا لیکن پھر بھی اخلاص ہے لیکن اس
میں تھوڑی سی کمی ہے اللہ کی معرفت کے بارے میں اور
وہ یہ ہے کہ اللہ سے اتنی معمولی اجر کی امید رکھنا ناقص

معرفتِ الٰہی کی نشانی ہے ۔ صحیح طریقہ یہ ہے پانی پیتے

وقت اللہ سے لازوال اجر کی امید رکھے کہ پیاس ایسے

بجھائے کہ اللہ کی رضامندی کا باعث بن جائے ۔

مخلصین کم اجر پہ اکتفا نہیں کرتا کیونکہ مخلصین کو

اللہ کی بقدرِ حق معرفت حاصل ہوئی ہے اور اللہ کی

رضامندی سے بڑھ کر کچھ نہیں اس لئے ہر نعمت ایسی

مانگتا ہے کہ اللہ کی رضامندی کا باعث بن جائے، آسان

الفاظ میں بابرکت نعمت مانگتا ہے۔ اخلاص کا یہ مطلب

نہیں کہ مخلص دنیا کی نعمتوں کا طلبگار نہیں ہوتا، صرف

اللہ کی رضامندی کا طلبگار ہوتا ہے جیسا کہ ناقص

درویشوں اور بعض ناقص صوفیاء کا نظریہ ہے کہ طلب دنیا

کو دینداری کے خلاف سمجھتے ہیں بلکہ مخلصین اللہ کی

رضامندی کو ترجیح دیتے ہیں کہ اگر اللہ کی رضامندی اور

دوسری نعمت میں صرف ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو

مخلصین اپنے ہی فائدے کے لئے اللہ کی رضامندی کا

انتخاب کرتے ہیں کیونکہ مخلصین عقلمند ہوتے ہیں ورنہ

مخلصین بابرکت نعمت مانگتے ہیں دنیا اور آخرت دونوں

کا طلبگار ہوتے ہیں جیسے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اور

حسنہ والی دعا البقرہ آیت نمبر 201 میں موجود ہے۔ جب کسی عمل میں صرف اللہ کی رضامندی کا طلبگار ہو تو دنیا بونس میں دی جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اخلاص کے حصول کا طریقہ:

حقیقی وجہ تو اللہ کی خصوصی رحمت اور توفیق ہے۔

ظاہری اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

1) اللہ کی بقدرِ حق معرفت حاصل کرنے سے عمل میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے ۔

2) قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ اعراف - **23**

ترجمہ: دونوں عرض کرنے گے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم یقیناً خسارے میں پڑ جائیں گے۔

یہ آدم علیہ السلام کی دعا ہے جب بھولے سے ممنوع میوہ

کھایا تب مانگنے لگے ۔

اس دعا کے مفہوم میں خوب غور کریں یہ تمہیں اخلاص

تک لے جائے گا ۔

3) عمل کو غیر موثر جانے یہ بھی تجھے اخلاص تک

پہنچائے گا رب کی توفیق سے۔ عمل کرتے وقت یہ نظریہ

ہو کہ اس عمل میں بذاتِ خود حسن (یا قباحت) نہیں

بلکہ اللہ اجر خیر دے تب بات بن جائے اس طرح نظریں

اور امیدیں اللہ سے وابستہ ہوگی عمل (مخلوق) سے نہیں۔

عمل بھی مخلوق ہے۔

(جذبات میں عمل سے امیدیں اور خوف ممکن ہے ، لیکن

یہ بے اختیار آتے ہیں اس لئے یہ معاف ہے ، عبادت کرتے

وقت مخلوق سے امیدوں کا وسوسہ آئے تو نظر انداز کر

دینا، اس پر عمل نہ کرنا اور عبادت اللہ سے اجر کی امید

میں جاری رکھنا)

مسند احمد حدیث 7840 میں ہے مفہوم: ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور صرف دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے ۔ نبی ﷺ نے فرمایا "اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے" ۔

کیونکہ اس میں (دھریہ کی طرح) جہاد سے امیدیں وابستہ رکھی گئی کہ جہاد سے مجھے فائدہ حاصل ہوگا۔ جہاد بھی مخلوق ہے۔ نظریں خالص اللہ کی طرف ہونی چاہئے کیونکہ جہاد تو ایک مخلوق ہے، اجر اور بدلہ اور فائدہ تو اللہ کے اختیار میں ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اگر اللہ ﷻ سے ہی اجر کا طالب ہے اور صرف دنیا یعنی محدود اجر مانگتا ہے تو محدود اجر ہمیشہ اور لازوال کے مقابلے میں صفر کے برابر ہے اس لئے فرمایا گیا کہ اس کے لئے کوئی اجر نہیں اگر چہ دنیا کے ہزاروں سال کے مزے ملے

ایک شخص ہے جو اللّٰہ سے صرف جوتے کا تسمہ مانگ رہا

ہے

دوسرا شخص ہے جو جوتے کا تسمہ ایسے مانگ رہا ہے کہ

اللّٰہ کی رضامندی کا باعث بن جائے ۔

ان دونوں میں علم کا فرق ہے ۔ پہلے شخص نے اللّٰہ کی

بقدرِ حق معرفت حاصل نہیں کی ہے۔ اس نے اللّٰہ کو

مخلوق کی سی حیثیت دی کہ جوتے کا تسمہ دے یہ بھی

بڑی بات ہے ۔

جبکہ دوسرے شخص نے اللّٰہ کو بقدرِ حق پہچانا ہے اس لئے رب سے اللّٰہ کی شان کے مناسب عظیم سوال کر رہا ہے اور اللّٰہ کی رضامندی سے بڑھ کر کچھ نہیں اس لئے جوتے کا تسمہ ایسے مانگ رہا ہے کہ اللّٰہ کی رضامندی کا سبب بن جائے ۔ دوسرے شخص کی پہلی ترجیح اللّٰہ کی رضامندی ہے۔

اللّٰہ کی رضامندی کو ترجیح دے کیونکہ اللّٰہ کی رضامندی کے ہم انتہائی درجے کے محتاج ہے ۔

جوتے کا تسمہ ایسے مانگے کہ یہ اللہ کی رضامندی کا سبب بن جائے ۔ آسان لفظوں میں بابرکت نعمت مانگا کریں ۔

خلاصہ: اللہ پر اجر سے مراد لازوال اجر ہے اور یہ لازوال اجر آخرت میں ہی ممکن ہے۔ دنیاوی بدلہ بابرکت مانگے کہ دنیا سے شروع ہو کر ہمیشہ تک جاری رہے ۔ اس کے لئے مرتے دم کوشش کریں ۔

لازوال اجر اللہ کی شان کے مناسب ہے ۔

محدود اجر مانگنا ایسا ہے گویا اللہ کو دنیاوی بادشاہ کی حیثیت دی کہ بس محدود اجر دے یہ بھی بڑی بات ہے ۔

نیت میں اصل مرکز اللّٰہ کی معرفت ہے۔

نوٹ: تقدیر کو ہم نہیں جانتے لیکن تقدیر کا استعمال ہمیں قرآن و حدیث میں سیکھایا گیا ہے۔۔ جب توکل اور اخلاص کرنا ہو تو تقدیر کے استعمال کے مطابق عمل کو غیر موثر اور صفر سمجھیں اور جب اجتہاد کرنا ہو تو عمل میں حسن اور قباحت (عبرت کی مدد سے) تلاش کریں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● دعا اور نعمت کی کوشش کا طریقہ:

انسان جب اس نیت اور نظریہ سے کسی نعمت کے حصول کی کوشش کرتا ہے کہ اللّٰہ کی مشیت کے بغیر بھی مل سکتا ہے تو شرک ہے چاہے یہ انسان نعمت کو نیکی میں ہی تلاش کر رہا ہو۔ (حالت شرک میں نیکی کا بدلہ اس دنیا میں ملتا ہے ۔ بدلے کی مختلف صورتیں ہوتی ہے جن میں ایمان بھی ہے)

جب انسان اس نیت اور نظریہ سے حاصل کر رہا ہو کہ اللہ کی مشیت سے ہی ملے گا تو شرک نہیں ہے چاہے یہ گناہ میں ہی تلاش کر رہا ہو۔

مومن کے گناہ کا یہی صورتحال ہوتا ہے ۔

کسی نعمت کے حصول میں اللہ کی طرف سے دو راستے ہوتے ہیں جائز اور ناجائز ۔ اور دونوں راستوں میں اللہ ہی نعمت دیتا ہے ۔

لیکن نعمت کے بدلے نیکی کاٹی جاتی ہے ۔ جائز کام میں

نیکی تو کاٹی جاتی ہے لیکن ساتھ میں جائز کام پہ اللہ مزید

اجر اور نیکی عطا کرتا ہے اور جائز کام میں خیر ہوتا ہے

اس جائز کام پر مزید نیکی کی توفیق ملتی ہے جبکہ ناجائز

کام میں نعمت کے حصول پر نیکی تو جاتی ہے ساتھ میں

مزید ملتی بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ ناجائز کام پر اجر اور

نیکی نہیں دیتا اور مزید گناہوں کی طرف میلان بڑھ جاتا

ہے جو کہ نقصان کی بات ہے۔ اگر نیکی مل جاتی تو بھی

نقصان کی بات نہ ہوتی اس لئے کہا گیا ہے کہ گناہ کے فوراً

بعد نیکی کیا کریں تاکہ نقصان کا ازالہ ہو سکے۔ اور مزید گناہوں کی طرف میلان کا ازالہ بھی ہو سکے۔

نیکی کے بدلے نعمت دنیا میں ملنا بھی ایک قسم کا خسارا ہے کیونکہ دنیا کا بدلہ فانی ہے اور آخرت کا لازوال ۔ اس لئے عمر رض نے فرمایا کہ میں اپنی نیکیاں اس دنیا میں ختم نہیں کرنا چاہتا ۔ کوئی بھی نعمت مل جائے تو شکرانے کے طور پر نیکی کریں تاکہ اس نعمت کے بدلے جو نیکیاں چلی گئی وہ واپس آجائیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **خدمت:**

خدمت دو طرح کی ہے

1) فرض:

2) نفل:

1) فرض دو قسم کی ہے ۔

الف) فرض عین

ب) فرض کفایہ

الف) ایک شخص نے کسی عورت کو تنخواہ کے عوض

خادمہ بنایا ہے ۔ تو اس عورت پر اس شخص کی مناسب

خدمت کرنا فرض عین ہے ۔ شرعی عذر کے بغیر خدمت نہ

کیا تو گناہگار ہو جائے گی اگر چہ یہ شخص اپنی خدمت

خود کر سکتا ہوں ۔۔۔

ب) ایک شخص بیمار ہے یا حلال مال کمانے میں تھکا ہوا

ہے اور وہ اپنی خدمت خود نہیں کرسکتا تو اس کی خدمت

کروانا فرض کفایہ ہے ۔ اس شخص کے رشتے داروں اور

پڑوسیوں پر مشترکہ فرض ہے ۔ پہلے قریبی رشتے داروں پر

پھر پڑوسیوں پر۔۔ مثلاً اولاد اور بہو پر۔۔۔

اس قسم کی خدمت کو انسانیت کے ناطے خدمت کہا جا

سکتا ہے ۔

عورت پر بہو ہونے کے ناطے سسر اور ساس کی خدمت

فرض عین نہیں ہے البتہ انسانیت کے ناطے فرض کفایہ ہے

ان کاموں میں جو سسر اور ساس نہیں کر سکتے بیماری کی

وجہ سے یا مال کمانے کی وجہ سے ۔ یہ خدمت اولاد اور

بہو پر مشترکہ فرض ہے اگر ان میں ایک بھی خدمت نہ

کریں تو سب گناہگار ہو جائیں گے اور اگر ایک نے بھی

خدمت کی تو سب کے ذمے فرض ادا ہو جائے گا اور جس

نے ادا کیا اس کو اجر ملے گا ۔

2) اگر ایک شخص اپنی خدمت خود کر سکتا ہے لیکن

پھر بھی اس کی خدمت کی جائے تو یہ مستحب ہے ۔

انسان کو اپنے آپ کو نیکی کے کاموں میں مصروف رکھنا

ضروری ہے کیونکہ جو اللہ کی یاد سے غافل رہتا ہے اور نیکی

کے کاموں میں مصروف نہیں ہوتا تو اللہ فرماتا ہے کہ اس کا شیطان دوست بن جاتا ہے ۔۔ (مشاہدے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو عورت کام نہیں کرتی اور نیکی کے کاموں میں مصروف نہیں رہتی تو وہ خاندانوں میں لڑائیاں کرواتی ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم

- تین طلاقیں اور جان بوجھ کر حلالہ:

تین طلاقیں ایک ساتھ دینا بدعت ہے اور دین کے ساتھ مذاق ہے اس لئے عمر رض نے تعزیری سزا کے طور پر تین طلاقیں مقرر کی تاکہ لوگ تین طلاقیں دینے سے باز آ جائیں نہ کہ تین طلاقیں دے دیا جائے ۔

تعزیری سزا میں مصلحت کو دیکھا جاتا ہے ۔ آج کے دور میں لوگ تین طلاقیں دینے سے باز نہیں آتے بلکہ دے دیتے ہیں ۔

ایک لطیف فائدا یہ ہے کہ تین طلاقوں میں اشارہ ہے کہ رجوع نہ کرنا بہتر ہے کہ یہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے لئے مناسب جوڑ نہیں ہے ۔

طلاق کی نیت سے نکاح اور رجوع کرنا باطل ہے ۔ رجوع کے ساتھ بھی شرط لگائی گئی ہے ۔

ابتداء اسلام میں متعہ نکاح حلال کر دیا گیا تھا تو ان دنوں تین طلاقیں ایک ساتھ ممکن تھیں ۔

ان دنوں جان بوجھ کر حلالہ بھی ممکن تھا لیکن لعنت کے ساتھ ۔

اب قیامت تک متعہ نکاح حرام ہے ۔ تو جان بوجھ کر حلالہ ممکن نہیں ہے کیونکہ طلاق کی نیت سے نکاح ہوتا نہیں ہے۔۔۔

بعض علماء متعہ نکاح اور طلاق کی نیت سے نکاح میں فرق کرتے ہیں ۔ کہ طلاق کی نیت کو مخفی رکھنے سے نکاح ہو

جاتا ہے حالانکہ اس میں دھوکہ ہے اور انسان کی زندگی تباہ

ہو جاتی ہے ۔

جس مسلک میں طلاق کی نیت سے رجوع کرنا صحیح ہے

اس میں تین طلاقیں ممکن ہے ۔

لیکن تین طلاقوں میں تین طلاق کا مقصد ہی ختم ہو

جاتا ہے ۔ یہ تو اس لئے ہے تاکہ طلاق کے بعد عدت کے

دنوں میں خوب سوچ و فکر کیا جائے اور ایک دوسرے کے

احسانات واضح ہو جائے تاکہ پھر سے ایک ہو جائے مزید

پختہ ارادہ اور نیت کے ساتھ کیونکہ طلاق میں کئی

زندگیاں متاثر ہوتی ہے ۔ عدت میں فائدے بہت ہو سکتے ہیں لیکن اہم فائدہ یہی ہے کہ اس میں سوچ و فکر کیا جا سکے ۔

دوسری اہم بات یہ کہ حدیث کے مطابق نبی ﷺ کے دور میں ، اور ابو بکر صدیق رض کے دور میں اور عمر رض کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں ۔ اسی حدیث کی وجہ سے میں نے یہ پوسٹ کرنے کی ہمت کی۔

طلاق کے معاملے کو مذاق میں لینے سے کفر کا سنگین خطرہ ہے ۔ اور کفر سے نکاحِ باطل ہو جاتا ہے لیکن تین طلاقوں میں شمار نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

واللہ تعالیٰ اعلم

- مرد اور عورت میں مساوات یا انصاف:

اس پوسٹ کے لئے ذہن بنائے کہ یہ دنیا دار امتحان ہے۔

فطرتی کمی سے انسان کی شان میں کمی واقع نہیں ہوتی ۔ عورت کی فطرتی عقل مرد کی نسبت کم ہے ۔ عورت اپنی اولاد سے مرد کی نسبت زیادہ جذباتی اور طبعی محبت کرتی ہے۔

گواہی دینے میں اکثر کرپشن کی آفرز ملتی ہے ۔ مرد اولاد کی محبت کی خاطر جھوٹی گواہی کے لئے میلان کرتا ہے تو عورت بھی اولاد کی خاطر میلان کرتا ہے لیکن عورت کی طبعی محبت زیادہ ہونے کی وجہ سے امتحان سخت ہے اس لئے بطور انصاف عورت کی گواہی کو دو عورتوں میں تقسیم

کیا تاکہ ایک دوسرے کی مدد کا باعث بن کر جھوٹی

گواہی سے باز آجائیں ۔

اللہ نے انسان کی فطرت کو اور اس نظام کی فطرت کو

دیکھ کر قوانین بنائے ہیں ۔ اس لئے اسلام ایک فطرتی

مذہب ہے۔

اسی طرح

مرد اور عورت ایک جتنی عبادت کریں تو عورت کی

فضیلت زیادہ ہوگی کیونکہ باوجود فطرتی تقصیر عقل کے

مرد کے جتنا عبادت کیا اس لئے مرد کو بطور انصاف

فضیلت حاصل کرنے کا حکم ہے۔

کہ میاں بیوی جب لڑ رہے ہو تو مرد کو خاموشی اختیار کرنا

ہوگا تاکہ عورت پر فضیلت حاصل کریں ۔ یہ مرد کے ساتھ

ظلم نہیں کیونکہ مرد کی فطرتی عقل نسبتاً زیادہ ہے۔

نان نفقہ مرد کے ذمے ہے تاکہ اس نیکی سے مرد فضیلت

حاصل کر سکے کیونکہ فطرتی عقل زیادہ ہے

عورت پر نان نفقہ لازم ہوتا تو عورت اولاد سے طبعی

محبت زیادہ ہونے کی وجہ سے اور فطرتی عقل کم ہونے کی

وجہ سے کرپشن کی طرف مائل ہو جاتی اور یوں عورت پر

امتحان سخت ہوتا۔

مقصد یہ کہ دنیا اور جمہوریت مساوات کی رٹ لگاتے ہیں

جبکہ اللہ کے قوانین رحمت اور انصاف کی بنیاد پر ہے۔

ہر مساوات میں انصاف نہیں ہوتا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● شرافت اور فضیلت کا دارومدار:

ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَ تْقٰىكُمْ ۭ ۝

ترجمہ: **49:13**

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو

زیادہ پرہیزگار ہے۔

اللہ کی عبادت اور تابعداری کے نتیجے میں پرہیزگاری ملتی

ہے ۔ (البقرہ : **21**)

تقوی سے مراد عقلی خوف و تقویٰ ہے یعنی نیکوکاری ۔

جتنے زیادہ نیکیاں ہوں گے اتنا ہی زیادہ تقوی دار ہے۔

مذکورہ بالا آیت کے مطابق انسان کی شرافت اور عزت کا

دارومدار عقلی تقوی یعنی نیکوکاری پر ہے ۔

ہواؤں میں اڑنا شرافت نہیں ہے بلکہ ہواؤں میں اڑنے کے

باوجود اللہ کی تابعداری اور نیکوکاری میں کمی نہ آنا

شرافت ہے۔

حدیث میں ہے مفہوم: جس نیکی کا ذریعہ بنوگے تو
تمھارے عمل نامہ میں بھی لکھی جاتی ہے ۔

صحابہ کرام:

قیامت تک دین اسلام پر جو عمل کیا جاتا ہے وہ نیکیاں
صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کے عمل نامہ
میں لکھی جاتی ہے کیونکہ وہ ذریعہ بنے ہیں۔ اس سے اندازہ
لگالے کہ صحابہ کرام کی کتنی نیکیاں ہے، تصور سے باہر ہے
۔۔۔ چونکہ شرافت اور عزت نیکوکاری پر موقوف ہے ۔

اللہ کے نزدیک صحابہ کی شرافت اور عزت کا بھی اندازہ

لگالے ۔

قرآن میں ہے مفہوم: بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی

ہے ۔۔

انسان کی شان مغفور بن کر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا

معصوم ہونا ضرورت کی بنا پر ہے۔

صحابہ کرام مغفور ہے ۔ صحابہ کرام نے اتنے نیکیاں کی ہے

کہ ان کے گناہ نیکیوں میں مٹا دیئے جا چکے ہیں ۔

صحابہ کرام کے گناہ دین کی تکمیل کے لئے ہیں کہ ہم ان

سے سیکھتے ہیں کہ گناہ کے بعد کیا کرنا پڑے گا اور یہ

کہ گناہ سے انسان کافر نہیں ہو جاتا۔ صحابہ کرام کے

گناہ صرف تعلیم کی نیت سے بتانا جائزہے اور گناہ زکر

کرنے سے پہلے یوں کہنا ہوگا کہ صحابہ کرام مغفورہے ۔

قرآن میں جب صحابہ کرام کی خطا زکر کی گئی تو ساتھ

میں معافی کا اعلان کرتا ہے جب خطا تعلیم کے ارادے سے

زکر کرتا ہے۔

قرآن میں ہے مفہوم: صحابہ کرام کی طرح ایمان لے آئے

۔۔

ایمان عبارت ہے قرآن و حدیث کے علم سے ۔ مفہوم یہ

ہوا کہ قرآن وحدیث کا وہ علم اور تفسیر معتبر ہے جو

صحابہ کرام نے کی ہے خاص کر اجماع صحابہ ۔۔ کیونکہ

صحابہ کرام جس سمجھ پر متفق ہیں وہ شریعت کا ہی

منشا سمجھا جاتا ہے ۔ اس لئے صحابہ کرام کے اجماع کی

مخالفت کو شریعت یعنی قرآن و حدیث کی مخالفت

سمجھا جاتا ہے ۔

آخری نبی کریم حضرت محمد ﷺ:

اور صحابہ کرام اور قیامت تک تمام مسلمانوں کے نیکیاں

حضرت محمد ﷺ کے عمل نامہ میں لکھی جاتی ہے ۔

اس سے اندازہ لگالے کہ نبی ﷺ کے کتنے نیکیاں ہوں گے

۔ تصور سے باہرہے ۔ نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ

نیکیاں ہے اس لئے مخلوقات میں اولین درجے پرہے ۔ اور

تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ شرافت اور عزت والا

ہے۔

نبی ﷺ آسمانی دنیا کا سفر کرنے پر شرافت اور عزت

والا نہیں بن جاتا بلکہ آسمانی دنیا کا سفر کرنے کے

باوجود اللہ کی تابعداری اور عبدیت میں فرق نہیں آیا یہ نبی ﷺ کی شان ہے۔ جیسے ہم اگر چاند کو پہنچ جائے یا کوئی اور عظیم نعمت ملے تو ہم اللہ کو ہی بھول جاتے ہیں ۔

اللہ جب نبی کریم ﷺ کے اسراء کا زکر فرماتا ہے تو وہاں لفظ عبد زکر کرتا ہے۔

اس میں ایک تعلیم یہ ہے کہ نبی ﷺ عبد اور عاجز ہے آسمانی دنیا کا سفر کرنے کے باوجود، اس لئے آپ ﷺ کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ بنانا اور دوسری تعلیم یہ ہے

کہ اتنی عظیم نعمت کے باوجود اللّٰہ کا تابعدار ہے ۔ اللّٰہ

کو بھولے نہیں ۔

حاصل یہ کہ انسان کی شرافت تقوی اور نیکوکاری پر ہے ۔

نسب، مال، حسن وغیرہ یہ آزمائشیں ہیں ۔

نسب کا ایک فائدا یہ ہے جب آپ کسی کی شرافت اور

عقلی تقوی معلوم کرنا چاہتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جو گناہ

وہاں عام ہے اس گناہ سے پرہیز کرتا ہے یا نہیں ۔ مثلاً

پٹھان اگر زنا سے محفوظ ہے تو اس سے شرافت اور عقلی

تقوی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ پٹھانوں کے علاقے میں زنا

مشکل ہے۔ اگر مغربی ممالک والا زنا سے محفوظ ہے تو پھر شرافت کی بات ہے کیونکہ اس میں عقلی تقوی و خوف کا ہونا ممکن ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## ایمان بالغیب:

ایسی حالت میں ایمان کہ نہ اللہ کو دیکھا ، نہ جنت

جہنم ، وغیرہ کو دیکھا اور تصدیق کی اسی کو ایمان

بالغیب کہتے ہیں ۔

ایمان بالغیب جتنا کم ہو یعنی غیب سے پردہ جس قدر

اٹھایا جاتا ہے اس قدر آزمائش بطور انصاف سخت ہوتی ہے

۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام پر آزمائش سخت ہوتی تھیں

۔

آدم علیہ السلام کا بھی غیبی ایمان سے پردہ اٹھ گیا تھا اس

لئے بھولے سے میوہ کھانے پر بطور انصاف سزا دیا۔

بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو موسی علیہ السلام کے ساتھ گئے

تھے ان کا چونکہ غیبی ایمان سے پردہ اٹھ گیا تھا اسی لئے

بطور انصاف سخت توبہ مقرر کیا۔ اس سے ہر مرتد کی سزا

قتل ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تاکہ قیامت کے دن عام کفار کا عذر باقی نہ رہے کہ ہم پر

بھی غیب سے پردہ اٹھاتے ۔۔۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر موجود بنی

اسرائیل کا غیبی ایمان سے پردہ اٹھ گیا تھا اس لئے اللّٰہ کی

طرف سے زبردستی کی گئی اور اللّٰہ نے ان پر کوہ طور اٹھایا

۔۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس پر غیبی ایمان سے پردہ اٹھ

جائے یا کم ہو جائے تو اللّٰہ کی طرف سے جھٹکے ملیں گے

۔ خلیفہ کی طرف سے جھٹکے نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ

السلام نے کوہ طور نہیں اٹھایا تھا۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایمان بالغیب یہ بھی ہے کہ محض اللّٰہ کے فرمان کی وجہ

سے تصدیق کیا جائے ۔ مثلاً

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے فرائض (استقامت) اور

خدمت خلق میں خیر کی تصدیق کرتا ہے کہ اس میں خیر

ہی خیر ہے چاہے اس میں کوئی ظاہری نفع نظر نہیں آ

رہا ۔۔

مومن اللّٰہ پر اندھا اعتماد کرتا ہے کہ اللّٰہ نے فرمایا کہ

مثلاً خدمت خلق میں خیر ہے تو پھر یقینی خیر ہے چاہے

پوری دنیا گنوانی پڑے۔

نوٹ: اللّٰہ کا صحیح حکم تلاش کرنے کے لئے اجتہاد اور تحقیق کرنا اس پوسٹ کے منافی نہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **محکمات اور متشابہات:**

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۞

ترجمہ: **51:56**

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں

مقصد اللہ کی عبادت کرنا ہے۔

قرآن میں محکمات اور متشابہات دونوں معلومات موجود ہے۔ ہماری مذکورہ مقصد کے لئے محکمات ہی ضروری اور فائدہ مند ہے۔ مثلاً:

آدم علیہ السلام نے اعتراف جرم کیا جس پر اللہ نے مہربانی کی ۔ اس واقعے میں یہ علم ہماری مقصد کے لئے فائدہ مند ہے۔ جبکہ کونسا میوہ کھایا تھا یہ ہماری

مقصد کے لئے فائدہ مند نہیں ہے ۔ اس لئے اس میں مقصد کے لئے فائدہ تلاش کرنا ٹیڑھے دل کی نشانی ہے ۔

اگر متشابہات میں دنیا اور غیر مقصد کے لئے فائدہ تلاش کرنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے کیونکہ ایجادات میں یہی کرنا پڑتا ہے ۔

ا ل م وغیرہ یعنی حروف مقطعات متشابہات کی مثال ہے ۔ اس کی بار بار تلاوت کرنے سے انسان مظہر پرستی سے بچ جاتا ہے کہ اے انسان! تمھاری مثال کنویں کے مینڈک کی طرح ہے جو اسے دنیا بس کنویں کے جتنا لگتی ہے ۔ ایسے

ہی انسان کو بتاتا ہے کہ معلومات صرف وہ نہیں جو

تمہاری عقل اس تک رسائی حاصل کریں بلکہ (اللّٰہ کے

پاس) معلومات اتنے ہیں کہ سات سمندر سیاہی بن جائے

اور درختیں اقلام بن کر لکھتا رہے سیاہی اور اقلام ختم ہو

جائیں گے لیکن معلومات ختم نہیں ہوں گے ۔

اس لئے جب اللّٰہ کسی علم کی خبر داری دے تو اللّٰہ پر

بھروسہ کرکے تصدیق کریں ۔

محکمات مقصد کے لئے فائدہ مند ہے اس علم (محکمات)

کی طلب کریں ۔ اور متشابہات پر اجمالی ایمان لائے ۔

ذائقے دار خوراک ، خوبصورت اور خوب سیرت پارٹنر اور

حسین جگہیں ہماری عقل میں بڑی نعمتیں ہیں اس لئے

جنت کو اکثر اس طرح بیان کیا جاتا ہے تاکہ یہ سن کر

ہم مرغوب ہو جائے اور یہ ہماری مقصد کے لئے فائدہ مند

ہے ورنہ جنت کی تقدیر ایسی ہے کہ کسی انسان نے اس کا

تصور بھی نہیں کیا ہے۔

اسی طرح عذاب قبر یا عام عذاب محکمات میں سے ہے کہ

اس سے کیسے بچا جائے اور اس عذاب میں اکثر کیفیات

متشابہات میں سے ہے ۔ کیونکہ اللّٰہ کے پاس تکلیف دینے کے لامحدود آپشنز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- دنیا کو دیکھنے کا نقطہ نظر:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۞

ترجمہ: **51:56**

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ

میری عبادت کریں

یہ آیت اس دنیا کو دیکھنے کا نقطئہ نظر ہے ۔

جب نقطہ نظر غلط ہو تو پھر اللّٰہ کے قوانین بھی غیر

مناسب لگتے ہیں مثلاً اگر نقطہ نظر یہ ہو کہ یہ دنیا چار

دن کی زندگی ہے خوب انجوائے کرو۔ اس نقطہ نظر کے

مطابق عورت پر پردہ کروانا ظلم ہے کیونکہ عورت کو بھی

انجوائے کرنے کا حق ہے ۔

اس لئے

قرآن کریم اس دنیا کو دیکھنے کا انداز ٹھیک کرنے پر

زور دیتا ہے ۔

اور یہ ہماری مشترکہ ذمے داری ہے کہ ہم انسانوں کا دنیا

کو دیکھنے کا زاویہ مذکورہ آیت بنا دے۔ کیونکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اللہ کو حاکمیت کے درجے تک پہنچانے میں یہی کام

ضروری ہے ۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کو حاکمیت کے درجے تک

پہنچانا ہماری مشترکہ ذمے داری ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- اسلام کے دو حصے ہے۔

1) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ (توحید)

2) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کے اظہار کا طریقہ کار

1) توحید میں تقلید پر اکتفا نہ کریں ۔ مثلاً ایسے نہ سیکھیں کہ علماء کہتے ہیں اللہ ایک ہے۔ یا عبادت پہ رٹا مار لیں وغیرہ ۔

بلکہ ایسے سیکھ لیں کہ دھریہ اور مشرک کو سمجھا سکو کیونکہ توحید عقلی دلائل سے سیکھا جا سکتا ہے اور عقل سلیم اس تک رسائی حاصل کر سکتا ہے ۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمانیات (عقائد) میں تقلید معتبر نہیں ۔

جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ معتبر ہے لیکن پھر سیکھنے کی

طلب کریں ۔

2) توحید کے اظہار کا طریقہ کار رسولوں پر نازل کیا

جاتا تھا اب قیامت تک قرآن و حدیث توحید کے اظہار کا

طریقہ کار ہے ۔ قرآن و حدیث کے علاوہ طریقہ اللّٰہ کو

منظور نہیں ہے ۔

اس میں عقل کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ تحقیقی تقلید

کریں کیونکہ

مثلاً ایک رکعت میں دو سجدے کیوں ہے ایک یا تین

کیوں نہیں ، اس تک عقل رسائی حاصل کرنا ضروری

نہیں اور نہ فائدہ مند ہے کیونکہ بس یہ اللہ کی مرضی ہے۔

اللہ حکمت والا اور خبردار ہے ۔ (اجتہاد کے لئے علت تلاش

کرنا ضروری ہوتا ہے)

البتہ تقلید میں خوب تحقیق کیا کریں کہ کہیں بدعات

میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔۔

نوٹ: دین میں عقل کا استعمال مطلق مذموم نہیں ۔

اللہ کے حکم میں انکار کی نیت سے عقل لڑانا مذموم ہے

جیسے شیطان نے کیا۔

اللہ کا صحیح حکم تلاش کرنے کے لئے اجتہاد کرنا قابل

تعریف ہے تاکہ بدعات سے بچ سکے۔

توحید میں عقل کا استعمال ضروری ہے ۔ تاکہ شکوک

وشبہات سے بچ سکو۔ اور یہ توحید تمہیں عمل کرنے کی

طرف متوجہ کرے گا۔(جب انسان شرک کے معاملے میں

سنجیدہ ہو جاتا ہے تب انسان بہت شکوک وشبہات میں

مبتلا ہو جاتا ہے ۔)

واللہ تعالیٰ اعلم

- **عبادت انسان کی فطرت ہے اور مومن کے دلوں کو اطمینان پہنچاتا ہے:**

اسلامی نظریات کو دل سے تسلیم کرنے والا مومن کہلاتا ہے اور یہ نظریات مومن کو ایک ایسی کیفیت میں ڈال دیتا ہے جس کو برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اگر ان نظریات کو پہاڑوں پر پیش کیا جائے تو پہاڑ ذرہ ذرہ ہو جائیں گے ۔۔ ان نظریات کو برداشت کرنے اور ان پر

صبر کرنے کا ایک ہی قانونی اور حلال علاج ہے اور وہ ہے

اللّٰہ کی عبادت کرنے کو مقصد بنانا۔۔

اللّٰہ کی عبادت کرنا انسان کی فطرت ہے کیونکہ اللّٰہ کی

عبادت کرنا جن و انس کی پیدائش کا مقصد ہے۔ اور

فطرت کے خلاف زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے۔

ہر عمل میں عبادت کی نیت کیا کریں ۔۔

مثلاً

کھانا پینا دوکانداری مہمان نوازی تکالیف سہنا وغیرہ ویسے

بھی کرتے ہو ان میں عبادت کی نیت کیا کریں اور اللہ سے

اجر کی امید رکھا کریں ۔۔ ورنہ وسائل زیادہ ہوتے ہوئے

بھی تنگی محسوس کروگے ۔

اس تنگی کا احساس خاص کر تب ہوتا ہے جب نشہ سے

پرہیز کیا جائے کیونکہ نشہ سے انسان ریلیکس ہو جاتا ہے

لیکن یہ ریلیکس ہونا غیر قانونی ہے اور عبادت کے سبب

دلوں کو اطمینان پہنچنا بابرکت اور قانونی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

• آسمانی علم کی فضیلت:

ہر غلطی اور گناہ کے پیچھے جہالت ہی ہوتی ہے ۔

مثلاً:

بوڑھے ماں باپ کو پھینکنے میں بیٹے کا قصور اس کی خود

غرضی اور مطلبی پن نہیں بلکہ جہالت ہی ہے۔ (کیونکہ

انہیں لگتا ہے کہ نعمتیں جائیداد اور کرنسی سے ملتی ہیں

یا آخرت نہیں ہے یا آخرت ہے لیکن ویسے بھی جنتی ہوں

وغیرہ)

جب اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو پیدا

کرنے والا ہوں ۔ (میرے نزدیک) فرشتوں کو انسان کی

فطرت دیکھائی گئی، فرشتوں نے انسان کی فطرت میں خود

غرضی اور مطلبی پن کو دیکھا تو اس سے اخذ کیا کہ یہ

تو ایک دوسرے کے خون بہائیں گے ۔ تب اللہ نے علم کا

نمونہ پیش کیا جس میں اشارہ تھا کہ میں (اللہ) ایسا

علم پیدا کروں گا کہ اگر انسان اس (آسمانی) علم کو

حاصل کرے تو یہی فطرت فائدے میں بدل جائے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

یہ کہنا مناسب نہیں کہ "علم شیطان کے پاس بھی تھا" کیونکہ اس سے آسمانی علم کی حقارت بیان ہو جاتی ہے ۔ شیطان کے پاس علم تھا لیکن ناقص ۔ اگر شیطان اللّٰہ کو حکمت والا سمجھتے تو اللّٰہ کے حکم پر اعتراض نہ کرتے ۔

ایک پیغمبر کو لوگوں نے اذیت پہنچائی تو پیغمبر نے دعا کی یا اللہ ان کو بخش دے یہ نا سمجھ ہیں ۔ (کیونکہ اگر سمجھتے تو کیونکر کرتے)

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## توبہ سے نا امیدی کا نقصان:

حدیث میں ہے مفہوم:

ایک شخص نے **99** قتل کئے تھے ۔ پھر توبہ کرنا چاہا

اور ایک عابد (عبادت گزار/ غیر عالم) سے پوچھا کیا

میری توبہ ہو سکتی ہے ۔ اس عابد نے کہا نہیں ۔ تو اس

نے سوچا کیوں نہ **100** قتل پورے کر لوں ویسے بھی

میری توبہ قبول نہیں ہوتی۔۔

توبہ سے نا امیدی کا نقصان یہ ہوا کہ اس نے اس عابد کو

بھی قتل کیا۔

توبہ کی قبولیت کی امید انسان کو نیکی کی طرف متوجہ

کرتا ہے ۔

پھر ایک عالم سے پوچھا تو اس نے کہا ہاں تمھاری توبہ قبول ہوگی ۔ عالم نے کہا تم اپنا ماحول بدل دو۔ جب وہ شخص اپنا ماحول بدلنے نکلا تو راستے میں ہی موت ہوگئی ۔ اللہ نے اسے بخش دیا۔

فطرت کے مطابق زندگی:

ہم نے ماضی میں بہت سے گناہ کئے ہوتے ہیں اور آئندہ

بھی کریں گے کیونکہ ہم فرشتہ نہیں بن سکتے ۔ اور نہ

نیکیوں سے مٹا پائیں گے ۔

فطرتی زندگی یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل کے گناہوں کو

مٹانے کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق نیک اعمال کرتے

رہنا خاص کر ایسے نیک اعمال جو مرنے کے بعد جاری

رہے۔۔

ماضی کے گناہ کو مٹانے کے لئے نیکی کرنا خشوع کہلاتا ہے

اور مستقبل کے گناہ کو مٹانے کے لئے نیکی کرنا تقوی

کہلاتا ہے ۔ (خاص کر جب خشوع اور تقوی ایک ساتھ

آئے ہو تب یہ مطلب ہے۔ عام طور پر تقوی سے مراد عقلی

تقوی یعنی نیکوکاری ہے)

نماز میں بھی یہی نیت کرنا کہ اس سے ماضی کے گناہ

مٹ جائے اس کو نماز میں خشوع کہتے ہے۔ واللہ تعالیٰ

اعلم

جو خشوع اور تقویٰ پر موصوف ہوا وہ کامل کامیاب ہوا

(مفہوم سورۃ النور 52

والله تعالیٰ اعلم

● دلائل:

تین قسم کے دلائل ہیں ۔

1) عقلی دلیل

2) دلیل ھُدیٰ (قرآن و حدیث)

3) دلیل بدیہی (جیسے دو جمع دو چار وغیرہ)

عقلی دلیل کے ذریعے اللہ کی بقدرِ حق معرفت حاصل کی جا

سکتی ہے ۔

پھر

اللہ کے احکامات معلوم کرنے کے لئے دلیل ھدیٰ اور دلیل

بدیہی کا استعمال کیا جاتا ہے ۔ دلیل ھدیٰ غالب ہے دلیل

بدیہی پر۔

اگر قرآن و حدیث میں کسی چیز سے منع کیا گیا ہے اور

دلیل بدیہی کے مطابق اس میں اثر پایا جاتا ہے اور ظاہری

فائدہ بھی نظر آتا ہے تب بھی ممنوع ہے ۔ جیسے کہ جادو،

شراب وغیرہ

اگر قرآن و حدیث میں منع نہیں ہے اور دلیل بدیہی سے

ثابت ہے کہ فلاں چیز میں اثر ہے تو اس چیز کے سبب اللہ

کی مدد طلب کی جا سکتی ہے ۔

اور اگر قرآن و حدیث میں منع نہیں ہے لیکن دلیل بدیہی

سے بھی ثابت نہیں ہے تو اس چیز کے سبب اللہ کی مدد

طلب نہیں کی جائے گی ۔

مثلاً

ہزار سال پہلے مشرق میں بیٹھے ہوئے شخص سے یہ پوچھنا
کہ مجھے مغرب کے فلاں ملک میں فلاں جگہ کا موجودہ
حال بتائے۔ یہ شرک تصور کیا جاتا تھا کیونکہ ہزار سال
پہلے ظاہری اسباب نہیں تھے، مافوق الاسباب تصرف کا وہم
ہوتا تھا۔ دلیل بدیہی نہیں تھا ۔ قرآن و حدیث میں بھی
نہیں لکھا گیا تھا کہ یہ شخص (اللّٰہ کی مدد سے) حال بتا
سکتا ہے ۔

آج کے دور میں مشرق میں بیٹھے ہوئے شخص سے یہ
پوچھا جا سکتا ہے کہ مغربی ممالک کے حالات بتائے

کیونکہ آج ظاہری اسباب (انٹرنیٹ وغیرہ) موجود ہے ۔ اس

لئے یہ شخص اللہ کی مدد سے حال بتا سکتا ہے ۔ لہٰذا اس

شخص کے سبب اللہ کی مدد (مغرب کا حال بتانے کی مدد)

طلب کی جا سکتی ہے ۔

خلاصہ: عمل کرتے وقت تمھارے پاس جواز کا دلیل ہونا

ضروری ہے ۔

مثلاً اگر کوئی کام قرآن و حدیث اور دلیل بدیہی سے

ثابت بھی ہو لیکن تمہیں نہیں پتہ تو بہتر ہے اس سے

اجتناب کریں ۔ (اس طرح ممکن ہے شرک سے بچ سکو)

البتہ اگر تجربہ کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ کیونکہ اللّٰہ نے

سب کچھ ہمارے تابع کیا ہے ۔ اس کو تلاش کرنے کی

نیت سے تجربات کرنا جائز ہے بشرطیکہ قرآن و حدیث

میں منع نہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## اللّٰہ کو پانا:

من میں ایک سوال اٹھتا ہے کہ 60 سال کی زندگی کے بدلے ہمیشہ کی جنت یا جہنم کیوں دیا جاتا ہے ۔

جواب:

اللہ کو پانا یا۔ اللہ کو کھونا معمولی بات نہیں ہے ۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو عادت کی سزا دی جاتی ہے ۔

اللہ کی رضامندی بہت بڑی بات ہے ۔

مومن اللہ کو پاتا ہے جس سے مومن کے اعمال کے ساتھ اللہ

کا غفور اور شکور صفت ملٹی پلائی ہو جاتا ہے ۔ غفور سے

گناہ مٹ جاتے ہیں سزا کے بدلے یا بغیر سزا کے لیکن مٹ

جاتے ہیں اور شکور سے مومن کی نیکیوں کا بدلہ لازوال ہو

جاتا ہے ۔

جبکہ

کافر اللہ کو کھو دیتا ہے جس کی وجہ سے اللہ کے غفور اور

شکور سے محروم ہو جاتا ہے ۔ گناہوں کی سزا پا کر بھی

گناہ مٹ نہیں جاتے کیونکہ صرف اللہ ہی گناہ مٹا سکتا

ہے سزا سے یا بغیر سزا کے ۔۔ اور نیکیوں کا بدلہ فانی ہوتا

ہے اس دنیا میں ہی بدلہ چکا دیتا ہے ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عادت کی سزا دی جاتی ہے ۔

مثلاً کافر نے **60** سال میں جو عادۃً ظلم کیا تو اگر یہ

ہمیشہ زندہ رہتے تو ہمیشہ یہی کفر اور ظلم کرتے رہتے ۔

جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے مفہوم:

یہ کافر دوبارا دنیا میں لوٹنے کی آرزو کرتے ہیں کہ ہم

نیک اعمال کریں گے ۔۔ اللہ فرماتا ہے اگر ان کو دوبارا

دنیا میں لوٹا دیئے جائیں تو یہ پھر وہی کفر کریں گے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● تعصب:

یہ ضد و عناد کی ایک وجہ ہے۔ تعصب چاہے قومیت و نسل کا ہو یا پھر مذہب کا ہو خطرناک ہے۔

اس کا نقصان حق سے محروم ہونا ہے۔

اس کا ایک باریک قسم کا نقصان یہ ہے

کہ

دوسرے مسلک اور مذہب کا شخص اگر ناحق پر ہو تو

متعصب شخص اس کی مخالفت تو کرتا ہے لیکن حق کے

لئے نہیں بلکہ تعصب کی بناء پر اور رد کے لئے دلیل پیش

کرتا ہے جو کہ مناسب نہیں ہوتا پھر جب مخالف شخص

اس کے دلیل کو کمزور کر دیتا ہے چونکہ ہوتا بھی کمزور ہے

تو مخالف شخص مونچھوں کو تاؤ دے کر ناحق پر اور

مضبوط ہو جاتا ہے ۔

مثلاً:

عالم الغیب کی نفی مخلوق سے کچھ اس طرح ہے کہ عالم الغیب کامل علم کو مستلزم ہے اس لئے مخلوق کے لئے ثابت کرنا شرک ہے کیونکہ صرف اور صرف اللّٰہ کا علم کامل ہے۔۔

اس کو کچھ اور غیر مناسب دلائل سے مخلوق سے نفی کرتا ہے جس سے مزید اشکالات وارد ہو جاتے ہیں پھر مخالف شخص ان دلائل کو کمزور کرکے ناحق پر ڈٹ جاتا ہے۔۔

اسی طرح یہود و نصاری وغیرہ کی رد بھی مناسب دلائل کے

ساتھ نہیں کرتا جس وجہ سے فساد مزید بڑھ جاتا ہے ۔۔

وغیرہ

نوٹ:

ایمان کی دو قسمیں ہیں:

1) ظاہری ایمان ۔۔۔ یہ احکامات جاری کرنے کے لئے

ہوتا ہے ۔ ہم ظاہر کو دیکھتے ہیں ہماری نظروں میں مومن

تصور ہوگا ۔۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت ظاہری ایمان کو دیکھا

جاتا ہے کیونکہ کافر کی مالی مدد زکوٰۃ کے علاوہ مال میں

کرنا ہے۔۔ آدمی اور کفر کے درمیان نماز کا فرق بھی ظاہری ایمان کے لئے ہے۔

2) حقیقی ایمان۔۔ یہ اللّٰہ کی نظروں میں مومن ہے اور جنت جائے گا ۔ اس کی تعریف صرف اور صرف یہ ہے کہ ضد و عناد سے کفر کرنا ہے ۔ یعنی حقیقی ایمان میں ضد و عناد سے کفر لازم ہے ۔

ضد و عناد کی وجوہات میں تکبر، تعصب ، اب و جد ، شخصیت پرستی شامل ہیں ۔

نوٹ: جس مسئلے پر اللہ تمھیں واضح علم عطا کریں اس

مسئلہ میں تقلید چھوڑ کر اس مسئلہ کو تسلیم کریں اور

جس مسئلہ پر سمجھ نہ آئے تو اہل علم سے پوچھ لے اور

تقلید کریں ۔

(امام بخاری رح جس مسئلہ کو سمجھتے تو تقلید نہیں

کرتے تھے اور جس مسئلے کی سمجھ نہیں آتی تھی تو پھر

امام شافعی کے مسلک پر اعتماد کرتے تھے ۔ واللہ تعالیٰ

اعلم)

عوام کے لئے شخصی تقلید مناسب ہے کیونکہ عوام ائمہ کرام

اور فقہاء کرام کے مسائل میں راجح و مرجوح نہیں جانتے

۔ ایسے میں پھر خواہش کی بنیاد پر آسانی تلاش کریں گے

جبکہ اصل مقصد راجح و مرجوح میں اللّٰہ کا حکم تلاش

کرنا ہوتا ہے ۔

ائمہ کرام کی بنیادی اصطلاحات اور تعریفیں مختلف ہوتی

ہیں جن کی بنیاد پر قوانین بھی ان اصطلاحات کی بنیاد پر

مختلف ہوتی ہیں اور اپنے بنیادی اصطلاحات کے موافق ہوتی

ہے ۔ اگر بنیادی اصطلاحات کو بدل دیا جائے تو قوانین

غیر متوازن ہو جاتے ہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

واللہ تعالیٰ اعلم

- دعا مانگنے کے دو طریقے ہے۔

1) اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ میں پیش کرکے ۔ مثلاً

یا اللّٰہ ، یا رحمٰن ، یا رب، یا رب العالمین ، یا رب

محمد ﷺ ، ربنا وغیرہ

2) نیک اعمال کو وسیلہ میں پیش کرکے

مثلاً

ایمان (ایمان کو وسیلہ میں پیش کرکے مغفرت طلب کریں)، نماز ، روزہ، خدمت خلق، درود شریف وغیرہ

نیک اعمال کا دائرہ وسیع ہے ۔ جو قرآن و حدیث سے ثابت ہو تب نیک عمل کہلاتا ہے ۔

کسی زندہ شخص کو دعا کے لئے کہنا بھی نیکی ہے۔

کسی کو دعا کرنا بھی نیکی ہے۔ مسلمانوں کو دعا کرکے وسیلہ میں پیش کرکے حاجت طلب کرنا۔

کسی سے اللّٰہ کے لئے محبت اور نفرت کرنا بھی نیکی ہے۔۔ اس نیکی کو وسیلہ میں پیش کرکے حاجت طلب کرنا ۔ اس میں بعض اہل علم اللّٰہ کے لئے محبت کو حرمت سے تعبیر کرتے ہیں یا واسطہ سے مثلاً محمد ﷺ کے حرمت کو وسیلہ میں پیش کرکے اللّٰہ سے حاجت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میرا نبی کریم

ﷺ سے صرف اللّٰہ کے لئے محبت ہے میں اس نیکی (اللّٰہ

کے لئے محبت) کو وسیلہ میں پیش کرتا ہوں ۔۔

با حرمت فلاں یا فلاں کے واسطے سے بہتر یہ ہے کہ یوں

کہا جائے کہ میرا اس سے اللّٰہ کے لئے محبت ہے اس کو

وسیلہ میں پیش کرتا ہوں ۔۔۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- نوجوان نسل کے نام ایک پیغام:

اللہ تعالیٰ انسان کو آزمائش کے طور پر مال دیتا ہے۔ اللہ

نے اس مال میں مختلف فرائض مقرر کئے ہوئے ہیں ۔

مثلاً خود پر، ماں باپ پر، بیوی بچوں پر، صلہ رحمی پر،

پڑوسیوں پر اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرنا ۔ مالداری

میں مالداری کے مطابق اور غربت میں غربت کے مطابق

۔۔۔

یہ مال کے علاوہ ذات پر بھی اپلائی ہوتا ہے ۔

۔۔۔۔

انسان اپنوں پر کروڑوں خرچ کریں بھی تو پرواہ نہیں

لیکن غیروں پر یا جنہیں انسان غیر سمجھتا ہے ان پر دس

روپے بھی خرچ کریں تو بہت بڑا لگتا ہے ۔ یہ انسان کی

تقریباً فطرت ہے۔

بہت کم عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اپنے خاوند کے رشتے

داروں کو اپنا سمجھتی ہے ۔

اکثر عورتوں پر خاوند کا اپنے بہن بھائیوں پر خرچ کرنا

بوجھ لگتا ہے ۔ اس میں عورت کا قصور صرف اتنا ہے کہ

وہ اپنے خاوند کے رشتے داروں کو اپنا نہیں سمجھتی۔ اصل

قصور (اور دِلاتوب) خاوند کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال میں

اللہ کے مقرر کردہ فرائض کو گولی مار کر اپنی بیوی کا ذہن

بناتا ہے کہ میرا سارا خزانہ اکیلے تمھارا ہے۔۔ بھاڑ میں

جائے ماں باپ وغیرہ ۔۔ (بلکہ میں ہی اکیلے تمھارا

ہوں۔ بیوی کا ذہن اس طرح بن جاتا ہے پھر غیروں کی

خدمت کرنا بوجھ لگتا ہے بیوی کو، یہاں تک کہ دوسری

شادی کرنے نہیں دیتی کیونکہ خاوند اکیلے اس کا جو ہوتا

ہے)

پھر تو عورت اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اپنا مال غیروں

پر خرچ نہیں کر سکتی اس لئے خاوند کے خزانے کو اپنا

سمجھ کر اپنوں پر ہی خرچ کرنا چاہتی ہے ۔

خلاصہ: اپنی بیوی کا ذہن بنائے کہ میرا مال و دولت اکیلے

بیوی کا نہیں ہے ۔ اللہ نے اس میں حصے مقرر کئے ہیں ۔

پھر جب مستحقین پر خاوند خرچ کرے گا تو اس کو

اعتراض بھی نہیں ہوگا اور خفیہ تدابیر بھی اختیار نہیں

کرے گی ۔۔ لڑائیاں پھر بھی ہوں گی لیکن کم ہوں گی

کیونکہ لڑائیوں میں اصل مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ خاوند

کا مال یعنی میرا مال کیسے غیروں پر خرچ ہوتا ہے یہ
فطرت کی وجہ سے برداشت نہیں ہو پاتا ۔۔

نوٹ: مال میں اللّٰہ نے فرائض مقرر کئے ہیں ۔ لوفری
نہیں ۔۔ عیاشی پر اعتراض ٹھیک ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **اصحابِ سبت:**

داؤد علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل پر ہفتے کے دن

اللہ نے مچھلیوں کا شکار بند کیا۔

ہفتے کے دن بطور آزمائش مچھلیاں زیادہ ہوتی تھیں ۔ تو

لوگ ہفتہ کے دن مچھلی کی دم میں ڈور باندھ کر سمندر

میں چھوڑتے تھے پھر اتوار کے دن پکڑتے تھے ۔ اللہ نے

ان کو اس عمل پر رسوا کرکے ہلاک کردیا ۔

انہوں نے پکڑنے کو نہ پکڑنا کہا یعنی گناہ کو گناہ نہیں

سمجھا ۔

اس لئے میں نے ایسی پوسٹس نہیں کی کہ مثلاً زنا گناہ ہے

کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ زنا گناہ ہے ۔

میری کوشش یہ ہوتی کہ لوگ ان گناہوں اور شرک کو

معلوم کریں جن سے عوام ناواقف ہیں تاکہ گناہ کو گناہ

سمجھ کر کریں ۔ کیونکہ گناہ کا اعتراف کرنے کے سبب

اللہ توبہ کا راستہ آسان بنا دیتا ہے ۔

میری پوسٹس مجھ پر بھی فٹ ہوتی ہے لیکن پھر بھی کرنا

پڑیگا کیونکہ تبلیغ کے اصول میں سے یہی ہے کہ حق خود

کے خلاف ہو تب بھی بیان کریں لیکن تہذیب یافتہ الفاظ

میں اور کسی کا نام لئے بغیر، عام الفاظ میں سب کو

مخاطب کریں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **میٹھا میٹھا ہم اور کڑوا کڑوا تم:**

قرآن میں زجر والی آیت سن کر ایک شخص کہنے لگے کہ

یہ آیت بنی اسرائیل کے بارے میں ہے۔ تو حضرت حذیفہ

رض نے فرمایا کہ

اچھا بھائی ڈھونڈا ہے اپنے لئے کہ کڑوا آیت ہو تو یہودیوں کے لئے ہیں اور میٹھا آیت ہو تو ہمارے لئے ہیں ۔

عمر رض کفار کے بارے میں آیت خود کے ساتھ لگاتے اور خفا اور فکر مند ہوتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **کام کام کام اور بس کام:**

یہ مطالبہ اللہ کی طرف سے ہے ۔

کام بھی نہ کریں اور مزے چرچے بھی کریں ۔ یہ اس کو

ملتا ہے جس کی آخرت میں حصہ نہیں ۔

جس کا آخرت میں حصہ ہو اور وہ کوئی کام (خدمت و

فرائض) نہیں کرتا تو اللہ انہیں بیماریوں میں مبتلا کرتا

ہے۔ یہ بیماری ٹھیک ٹھاک کام ہی ہے ۔ کام سے لوگوں کی

خدمت ہوتی ہے اور بیماری سے لوگوں کو بھی تکلیف میں

مبتلا کروگے ۔۔ کونسا چننا ہے کام یا بیماری ۔۔ یہ خود

ہی منتخب کریں ۔۔

یہ سوچنا کہ پیسے کماؤں گا اور اولاد کو نوکری پہ لگا کر

خود مزے کروں گا ۔ یہ ایک ناقص سوچ ہے۔ جب تمہیں

کمانے کی ضرورت نہ پڑے تو دین کے کسی شعبے کی

خدمت میں لگ جائے ورنہ بیماریوں میں مبتلا ہو جاؤ گے

اگر آخرت میں حصہ ہے تب۔۔

یہ قانون مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے ۔

جن دنوں بنی اسرائیل کو مفت میں من و سلویٰ ملتا تھا

ان دنوں اللہ نے دن میں ان پر پچاس نمازیں فرض کی

تھی ۔ کہ عبادت عبادت عبادت اور بس عبادت ۔۔ یہ

کمانا، پکانا، کام، خدمت خلق وغیرہ بھی عبادت ہی ہے ۔۔

کام کو دنیاوی مقاصد تک محدود نہ کریں بلکہ اللّٰہ کے

فرائض ادا کرنے کی نیت سے کریں ۔

اپنی اولاد کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی نظریات

ضرور سیکھائیں کیونکہ دین کی خدمت اور سر بلندی

اصل عبادت اور زمے داری ہے انسان کی۔ کیونکہ انسان کو

قرآن میں خلیفہ سے تعبیر کیا ہے یعنی اللّٰہ کی تشریعی

بادشاہت صوبہ ارض (زمین) پر قائم کریں ۔ تمام عالم پر

تکوینی بادشاہت اللہ کی ہے یہاں تک زمین پر بھی لیکن

تشریعی بادشاہت قائم کرنا بطور آزمائش انسان کے حوالے

کیا ہے اسی کو خلیفہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔۔

اللہ کو پانے کے چکر میں تکالیف اٹھاؤ گے ۔

۔۔۔۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلْإِنسَٰنُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَٰقِيهِ ۞

ترجمہ: **84:6**

اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب

کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملے گا

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ

وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ‌ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَۙ ۞

ترجمہ: **2:155**

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور

میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر

کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنادو

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ۞

ترجمہ: **3:142**

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بےآزمائش) بہشت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم(ظاہر) کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے) کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم(ظاہر) کرے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۞

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۞

ترجمہ: **29:2,3**

کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ

ہم ایمان لے آئے چھوڑ دئیے جائیں گے اور انکی آزمائش

نہیں کی جائے گی ؟

اور جو لوگ ان سے پہلے ہوچکے ہیں ہم نے انکو بھی آزمایا

تھا (اور انکو بھی آزمائیں گے) سو خدا ان کو ضرور

معلوم(ظاہر) کرے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور

ان کو بھی جو جھوٹے ہیں

واللہ تعالیٰ اعلم

- صلہ رحمی:

وہ تمہیں حق دے اور تم بھی بدلے میں حق دو اور وہ جب

حق نہ دے تو تم بھی نہ دو تو اس کو نبی کریم ﷺ نے

انتقامی زندگی کا نام دیا ہے ۔

رشتے دار تمہیں حق نہ دے اس کے باوجود تم انہیں ان کا

حق دیتے ہو اس کو صلہ رحمی کہتے ہے۔

حدیث میں ہے مفہوم: صلہ رحمی قطع کرنے والا جنت

میں نہ جائے گا ۔

حدیث میں ہے مفہوم: اللّٰہ فرماتا ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے

میں ان کے ساتھ رحم کا معاملہ کروں گا اور جو قطع کریں

میری رحمت کا معاملہ بھی قطع کیا جائے گا ۔

حدیث میں ہے مفہوم: صلہ رحمی سے مال اور عمر میں

برکت ہوتی ہے ، اللہ کی رضامندی کا باعث بنتا ہے ۔

طریقہ کار کچھ یوں ہے:

کہ جب آپ ارب پتی ہے اور آپ کا رشتے دار ضرورت مند

ہے اور صحت مند بھی ہے اور کام بھی نہیں کرتا تو انہیں

بغیر خدمت لئے مال مت دینا کیونکہ اس سے کرنسی کا

مقصد فوت ہو جاتا ہے بلکہ مثلاً پودوں کو پانی دے کر

بدلے میں ماہانہ تنخواہ مقرر کریں ۔ اس طرح معاشرے کو

خیر بھی پہنچے گا اور رشتے دار بھیکاری بھی نہیں بنے گا ۔

سوال یہ ہے کہ کرنسی کا مقصد تو زکوٰۃ میں بظاہر فوت

ہو جاتا ہے ۔

یہ زکوٰۃ ، قرض، اور بھیک مجبوری کی حالت میں لینا

پڑتا ہے ۔

درس و تدریس کرنے والا عالم، عورت ، بچے ، بوڑھے ماں

باپ ، معذور، کوشش کے باوجود ضرورت مند ، وغیرہ

مجبوروں میں شامل ہیں، وہ بھی تب جب غریب ہو۔ مثلاً

اگر درس و تدریس کرنے والے عالم کا اپنا کاروبار ہو کہ

اس کی ضروریات پوری ہوتی ہے تو انہیں مال لینے سے پرہیز

کرنا پڑیگا یا بدلے میں خدمت فراہم کرے گا تب لے گا۔

اس کو درس و تدریس سے جو ماہانہ وظیفہ ملتا ہے وہ بھی

نہ لے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

معذوری بھی ٹھیک ٹھاک کام ہی ہے ۔ اسی کام کے سبب

رزق برسایا جاتا ہے ۔ معذوروں کا قومی خزانے میں بقدرِ

ضرورت ماہانہ وظیفہ حق ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بیوی اور والدین میں متوازن رشتے داری:

قاعدہ یہ ہے کہ فرض کے لئے نوافل ترک کرنا پڑیگا لیکن

نوافل کے لئے فرض ترک نہیں کر سکتے ۔

غربت کی حالت میں بیوی کے لئے سال میں تقریباً 2

سستے جوڑے اور بازار میں سستا خوراک خرید کر کے

دے دیں ۔۔ پھر والدین کے ساتھ بھی اس طرح کرکے

فرض ادا کریں ۔۔

پھر جب پیسے بچتے ہیں تو بیوی پر نفلی خرچہ گولڈن پرل

وغیرہ غیر ضروری چیزیں دلا سکتے ہیں ۔

یہ غربت کی حالت کے فرائض و نوافل ہیں ۔ مالداری

میں مالداری کے مطابق والدین اور بیوی پر خرچہ فرض ہے

۔

یہ وہ صورت ہے جب صرف والدین اور بیوی بچے ہوں ۔

اگر مطلقہ بہن یا غیر شادی شدہ بہن ہو اور والد فوت ہو

چکا ہو تو ان کا فرضی نان نفقہ بھی تمام بھائیوں پر

مشترکہ فرض ہے ۔

۔۔۔۔

چار دیواری میں الگ ہونا بھی صلہ رحمی کے لئے ہے کیونکہ

صلہ رحمی بہت ضروری ہے ۔ یہ پردہ پٹھان اور بعض

سعودی علماء کے ذہن میں گردش کرتا ہے حالانکہ چار

دیواری میں الگ ہونے میں پردہ بونس چیز ہے اصل مقصد

صلی رحمی ہے۔

جوائنٹ فیملی میں بھائیوں کے درمیان لڑائیاں ہوتی ہے جس

کے باعث (جذباتی) نفرت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے

صلہ رحمی نبھانا مشکل ہوتا ہے ۔

نوٹ: صلہ رحمی قطع کرنے کے لئے چار دیواری میں الگ ہونا اور صلہ رحمی قائم کرنے کے لئے چار دیواری میں الگ ہونے میں فرق ہے ۔ ایک مذموم ہے اور دوسرا قابل تعریف ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **مردانگی اور قرآن و حدیث:**

حدیث میں ہے مفہوم: پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے کو قابو کرے۔

غصّہ تفسیر بالمثال ہے۔ اس سے مراد جذبات ہے۔ مفہوم یہ ہوا جو جذبات کو قابو کر سکے ۔ مردانگی کی تعریف یہ ہے کہ جو اپنے جذبات کو جتنا زیادہ قابو کریں اتنا ہی زیادہ مردانگی ہے۔

ہمبستری میں بھی بغیر بیماری کے جلدی فارغ ہونے کو

نامرد اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو نہیں

کر سکتا کہ بہہ جانے کی تڑپ۔۔۔

خواجہ سرا اور بیمار کو بھی عوام نامرد کا طعنہ اس لئے دیتے

ہیں کیونکہ عوام مردانگی کی تعریف نہیں جانتے ۔

اب سوال یہ ہے کہ دل میں بٹن تو نہیں ہے کہ بٹن دباؤ

اور جذبات کو قابو کرو۔ تو کیا کرنا پڑے گا ۔

اس کے لئے دنیا نے موٹیویشنل سپیکر رکھے ہوئے ہیں ۔

لیکن ریاکاری اور موٹیویشنل سپیکر، وغیرہ یعنی قرآن و

حدیث کے بغیر بننے والے حوصلے کی مثال قرآن نے یوں دی

ہے مفہوم : کہ ایک کھیت ہے جو بالکل زمینی سطح پر ہے

اونچائی پر نہیں ہے ۔ اس نے فصل بھی خوب دیا ہے کہ

دیکھنے والا دھنگ رہ جائیں لیکن جب سیلاب اور طوفان

آئیں تو سارا فصل تباہ ہو جائے ۔ سیلاب سے مراد آئی

فون یا بیوی بچوں کی فرمائشیں وغیرہ ہے۔۔

قرآن و حدیث کے نظریات میں اتنی طاقت ہے کہ اللہ اس

کے سبب انسان کو نیکی کی طرف نہ چاہتے ہوئے بھی مائل

کرتا ہے یعنی نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے ۔

اسلامی نظریات کو مدنظر رکھتے ہوئے جب نماز ، روزہ

وغیرہ کیا جاتا ہے تو انسان اپنے آپ پر قابو پاتا ہے پھر

جب کوئی اس کی بے عزتی کرتا ہے تو یہ بھی دو چار سنانا

چاہتا ہے اور سنانے پر قادر بھی ہوتا ہے لیکن محض اللہ سے

اجر کی امید پر خیر خواہی کی نیت سے وہ ایکشن لیتا ہے

جو مناسب ہو ۔ کبھی خاموشی مناسب ہوتی ہے تو کبھی

اخلاق کے دائرے میں ایکشن مناسب ہوتا ہے ۔

جہاد فی قتال اس لئے سب سے زیادہ فضیلت والا عمل ہے

کیونکہ اس میں بہت سارے جذبات کے خلاف جہاد کرنا

پڑتا ہے ۔۔۔ دنیا کی مٹھاس ، مرنے کا غم، بیوی بچوں

کی فکر، وغیرہ کے علاوہ یہ قابو کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے

کہ جب دشمن تم پر وار کرتا ہے تو بے اختیار غصّہ آتا ہے

اور ذاتی انتقام لینے کی تڑپ ہوتی ہے ۔ اس جذبے کے خلاف

جہاد کرکے محض اللّٰہ کے لئے اس پر وار کرنا پڑے گا ۔۔

اس کا طریقہ کار قرآن نے یوں سیکھایا ہے کہ جہاد کے

دوران مسلسل اللہ کا ذکر کرنا اور اللّٰہ کو ذہن میں لانا

تاکہ جہاد کرنے میں نیت صرف اللّٰہ کے لئے برقرار رہے ،

اپنی ذاتی انتقام کی طرف کوشش نہ کر پائے ۔

نفس کے خلاف جہاد اسلامی نظریات کے سبب اللّٰہ آسان

بنا دیتا ہے ۔ جب عقیدہ و نظریہ صحیح ہو جائے تو یہ

تمہیں عمل کرنے پر مجبور کرے گا ۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ ایمان صرف

تصدیقِ قلب کا نام ہے ۔ یہ بالفرض و تقدیر کی بات ہے ۔

حقیقت میں اسلامی عقیدہ کے ساتھ عمل خود بخود نہ

چاہتے ہوئے پیدا ہو جاتا ہے ۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ عمل

کی ضرورت نہیں ہے ۔ مطلب یہ ہے ایمان کی تعریف کے

لئے عمل کی ضرورت نہیں ہے ۔ ورنہ اسلامی ایمان اور

عمل دونوں ایک دوسرے کو مدد دیتے ہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خلاصہ: مردانگی کو قرآن و حدیث کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ یہ دوائی ہے مردانگی کے حصول کے لئے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## عبادت ، احسان اور تَصَوُّف:

پوچھا گیا احسان کیا ہے ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

مفہوم: اللہ کی ایسی عبادت کرنا گویا کہ تم اللہ کو دیکھ

رہے ہو، اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو ایسی عبادت کرنا

کہ یقیناً اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

مفہوم صحیحین – بخاری و مسلم ۔ متفق علیہ ۔۔

اس درجے تک عبادت کو پہنچانا کہ گویا اللہ کو دیکھ رہے

ہو اس کا طریقہ حدیث میں یہ بتایا گیا کہ عبادت کرتے

وقت دل و دماغ میں یہ حاضری لگائے کہ اللہ تمہیں دیکھ

رہا ہے ۔

اس حاضری لگانے والی محنت اور تحریک کو تصوف کا نام

دیا گیا ۔ کہنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام

نے احسان کو تصوف کا نام دیا ۔

صرف لفظ "تصوف" صوفیاء کرام نے ایجاد کیا ہے ۔ باقی

اس میں جو تحریک ہے وہ احسان ہی ہے جو نبی کریم

ﷺ نے حدیث میں فرمایا ہے ۔

(طریقہ کار یہ ہے کہ صوفیاء کرام کے جو صحیح باتیں ہیں

اس کو اپنا لے اور جو کمزور باتیں ہیں اس سے پرہیز کریں

۔)

احسان کو اپنانے کا طریقہ:

عبادت اس بندے کی عبادت کے مشابہ کر کہ وہ اللّٰہ کو

دیکھ کر عبادت کرتا ہو۔ اپنی دل و دماغ کو یہ بتائے کہ

اللّٰہ تمھاری عبادت دیکھ رہا ہے اللّٰہ غفور و شکور ہے ۔ کہ

عبادت میں کوتاہی ہوئی تو اللہ معاف کرے گا اور شکور ہے

کہ اللّٰہ کے ہاں نیکی کی بے انتہا قدر ہے اللّٰہ تمھاری

عبادت کو ضائع نہیں کرے گا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے

مفہوم: اللّٰہ محسنین کی نیکیاں ضائع نہیں کرتا ۔۔

جو شخص مذکورہ حدیث کے مطابق عبادت کرتا ہے وہ

محسن کہلاتا ہے اور اس طرح عبادت کو احسان کہتے ہے ۔

عمل میں خودبخود اثر نہیں ہوتا ۔ اللّٰہ قبول کریں تو ہی

بات بن جائے ۔ لہزا عمل کرتے وقت نظریں اللّٰہ کی

طرف کرے اپنے عمل پہ بھروسہ نہیں کریں ۔ اس طرح

تم خود کو اللّٰہ کے انتہائی درجے کے محتاج بھی پاؤ گے اور

عبادت احسان کے درجے تک کروگے یعنی عبادت کے وقت

یہ نظریہ ہوگا گویا کہ تم اللّٰہ کو دیکھ رہے ہو۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں خود کو صفر اور ناچیز سمجھے

پھر تمہیں ہر چیز میں اللہ نظر آئے گا ۔

لَا حَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّابِاللّٰهِ

جو اچھا ہو رہا ہے اس میں اللہ نظر آئے گا اور جو برا ہو

رہا ہے اس میں اللہ کی تربیت نظر آئے گی ۔

احسان کو تزکیۃ النفس سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ قرآن و

حدیث کی تعلیمات کے ذریعے ہی احسان اور تزکیہ نفس

حاصل کیا جا سکتا ہے ۔

احسان کو اخلاص بھی کہا گیا ہے ۔

۔۔۔۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ احسان کے دو درجے ہیں ۔

1) ایسی عبادت کرنا گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو

2) ایسی عبادت کرنا کہ یقینا اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے ۔

ان دونوں میں کوئی بھی حاصل ہوا تو احسان ہی ہے ۔

اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ احسان کا ایک ہی درجہ

ہے۔

"عبادت ایسے کرنا گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو ۔"

یہ مقصود ہے ۔

اور "اللّٰہ تمھیں دیکھ رہا ہے " یہ زریعہ ہے ۔

نوٹ: اللّٰہ دیکھ رہا ہے ۔ یہ تو ہر مومن کا ایمان ہے ۔

حدیث میں دل و دماغ میں حاضری لگانے کی بات ہوئی ہے

کہ عبادت کرتے وقت اس بات کی حاضری لگائے کہ اللّٰہ

دیکھ رہا ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **رب:**

امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں رب کی تعریف یوں کی ہے:

رب کے معنی تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو تدریجاً نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچانا کے ہے۔ (مفردات القرآن)

جس طرح بدن کی تربیت کے لئے اللہ نے غذا پیدا کیا ہے

ایسے ہی روح کی تربیت کے لئے وحی (قرآن و حدیث) بھیجا

ہے ۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا (آل عمران - **103**)

اور سب مل کر اللہ (کی ہدایت کی) رسی کو مضبوط

پکڑے رہنا۔

اِنَّ اللہَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِہٖ آخَرِيْنَ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعے

سے کچھ قوموں کو بامِ عروج تک پہنچائے گا اور اسی کو

ترک کرنے کے باعث کچھ کو ذلیل و خوار کر دے گا".

(مسلم)

اللہ نے قرآن و حدیث کو اللہ کی رسی سے تعبیر کر کے یہ

خاکہ پیش کیا کہ اس کو مضبوطی سے (علماً و عملاً)

پکڑے گا تو یہ چونکہ اللہ کی تربیت ہے تو اس کے سبب

انسان کی روح اوپر کی طرف پرواز کرے گی ۔ اور اگر رسی

نہ تھامے تو اللہ کی تربیت و ربوبیت سے محروم ہو کر اس

کی روح ساتویں زمین کے نیچے رہ جاتی ہے ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر (~اقبال)

اللّٰہ کی تربیت و ربوبیت میں غفور و شکور پڑا ہوا ہے ۔

مومن قیامت کے دن اپنے ساٹھ ستر سال کی زندگی میں رب کی تربیت کا نتیجہ دیکھ کر ایک دوسرے سے کہیں گے ۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝ (فاطر - 34)

ترجمہ:

وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا

بیشک ہمارا رب بخشنے والا (اور) قدردان ہے۔

رب مختلف قسم کی تکالیف میں مبتلا کرکے گناہ کو

مٹانے ، نیکیاں بڑھانے، علم میں اضافہ کرنے، وغیرہ

میں مدد دیتا ہے یعنی ٹریننگ دے کر حد کمال تک

پہنچاتا ہے اور انتہا جنت ہے

اس لئے

خوش قسمت ہے وہ جو رب کی تربیت اور ٹریننگ کو قبول

کریں ۔ کیونکہ اللہ کی ربوبیت حاصل کرنے والا حد

کمال تک پہنچ جاتا ہے اور جو رب کی ربوبیت و تربیت کو جھٹلاتا ہے تو وہ نیچے ہی رہ جاتا ہے ۔

خلاصہ: اللّٰہ کی طرف سے روح کی تربیت و ٹریننگ قرآن و حدیث ہے جس کے سبب روح اوپر پرواز کرتی ہے اور نیک بندوں میں لکھ دیا جاتا ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

رب اور جنت و جہنم:

رب کے معنی تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو تدریجاً

نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچانا کے ہیں ۔

(مفردات القرآن)

اللّٰہ کی ربوبیت جنت اور جہنم کو مستلزم ہے ۔ کیونکہ

جس کو اللّٰہ کی ربوبیت حاصل ہوگئی وہ حد کمال تک

پہنچ جاتا ہے جس کا نتیجہ جنت ہے کیونکہ اللّٰہ کی ربوبیت

اور تربیت مخلوق کی تربیت جیسی نہیں کہ بس معمولی

اور فانی فائدہ حاصل ہو جائے ۔

اور اللہ کی ربوبیت اور تربیت سے محروم ہو کر انسان

زلیل وخوار ہی رہ جاتا ہے جس کا نتیجہ جہنم ہے۔

اس لئے آخرت سے منکر کے بارے میں اللہ نے فرمایا کچھ

نہیں یہ بس اللہ کی ربوبیت کا (بواسطہ) انکار کرتے ہیں ۔

وَ اِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ

ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ‌ۚ (الرعد - **5**)

ترجمہ: اگر تم عجیب بات سننی چاہو تو کافروں کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم (مر کر) مٹی ہوجائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہونگے ؟ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب سے منکر ہوئے ہیں۔

(كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْۚ) بربهم کہا باللہ نہیں کہا کہ اللہ کی ربوبیت کا بواسطہ انکار کرتے ہیں ۔

اللہ کی تربیت اور ربوبیت وحی (قرآن و حدیث) ہے۔

اللہ کی ربوبیت اور تربیت کا طلبگار بن جائے کیونکہ اللہ

کی تربیت سے محروم ہونا ہمیشہ کا خسران ہے ۔

اللہ کی ربوبیت اور تربیت حاصل کرنے کے لئے صبر کرنا

عقل مندوں (جنتیوں) کی خصلت ہے یعنی صبر میں

مقصودِ اللہ کی تربیت کا فائدہ حاصل کرنا ہے تاکہ حد

کمال تک پہنچ جائے اور جنت چلا جائے۔ (مفہوم: الرعد

22) -

اس سے تھوڑا اندازہ ہو چکا ہوگا کہ اصل مسئلہ اللہ کی

معرفت میں ہے ۔ اللہ کی معرفت کے حصول میں محنت

کریں باقی علم اس کے تابع ہے خود ٹھیک ہو جائیں گے اس لئے اللہ کی معرفت میں کوتاہی (شرک) بغیر توبہ کے معاف نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

فرعون:

عرف میں مصر کے بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا ۔

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں فرعون ہر اس شخص کو

کہا جاتا ہے جو اللّٰہ کے قوانین کو جھٹلاتا ہے ۔

اللّٰہ کے قوانین کو جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس

قدر ظلم کی خواہش ہوگی وہ کرتا رہے گا بشرطیکہ ظلم کی

طاقت رکھتا ہو جس کی خواہش ہے۔ اور ظلم کا ازالہ بھی

نہیں کرتا ۔

اللّٰہ نے مثال اور نمونے کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کے

دور کے فرعون کو بھرپور طاقت دی تاکہ کوئی اللّٰہ کے

قوانین جھٹلانے والوں (فرعون) کا مجبوری میں ظلم نہ کر سکنے کو شرافت نہ سمجھ بیٹھے ۔

موسیٰ والے فرعون نے زمین و آسمان کی پیدائش کا دعویٰ نہیں کیا تھا صرف خود ساختہ قوانین نافذ کئے اس بنا پر فرعون کو خدائی کا دعویدار قرار دیا ۔

اس دور کے فرعون یعنی قرآن و حدیث کو جھٹلانے والوں کے پاس فُل پاور نہیں ہے تو یہ سیاست سے کام لے کر ظلم کرتے ہیں ۔

مثلاً

موسیٰ والے فرعون نے کھلم کھلا کہا کہ اقتصادیات میرے

قبضے میں ہے۔ جتنا چاہوں خزانے سے خرچ کروں ۔ جس

پر چاہوں روک دوں ، جس پر چاہوں خرچ کروں ۔

لیکن اس دور کے فرعون، مثلاً ، سڑک کی تعمیر کے لئے

اربوں روپے کی فنڈز فراہم کرتے ہیں ۔ پچاس کروڑ خرچ

کرکے باقی لوٹ لیتے ہیں اور عوام بھی واہ واہ کرتے ہیں کہ

سڑک بن گئی ۔۔ اور ضرورت سے زیادہ تنخواہیں اپنے لئے

مقرر کئے ہیں اور معذوروں کو بقدرِ ضرورت بھی نہیں دیتے

۔۔ یہ وہی موسیٰ کے فرعون کا دعویٰ ہے کہ اقتصادیات

میرے قبضے میں ہے۔

(اقتصادیات میں انسان کا مجازی اختیار بھی نقصان دہ ہے

اسی لئے صرف قدرتی سونا اور قدرتی چاندی ہی اصل کرنسی

ہے کیونکہ قدرتی کرنسی میں کرپشن نہیں کیا جا سکتا –

واللہ تعالیٰ اعلم)

موسیٰ کے فرعون نے بچوں کو ذبح کیا اور بچیوں کو

خدمت کے لئے زندہ چھوڑ دیا۔ اس دور کے فرعون نے

لڑکوں کو ناچ گانوں وغیرہ پہ (معنوی) قتل کیا اور عورتوں

کو تعلیم یافتہ بنا کر عہدے دے دیئے ۔ ویمن ڈے منایا
گیا ۔ اور خانہ داری برباد ہو گئی ۔

حاصل یہ ہے کہ فرعون اور موسیٰ کا واقعہ صرف قصہ نہیں
ہے ۔ اس میں پیغام اور نمونہ ہے عقل والوں کے لئے ۔ کہ
اللہ کے قوانین کو جھٹلانے والوں کا حال کیا ہوتا ہے ۔

اصل میں اللہ کے قوانین یعنی قرآن و حدیث کے صحیح
نظریات میں انقلاب ہے۔ یہ انسان کو معصوم تو نہیں

لیکن مغفور بناتا ہے اور یہی معاشرے کی اصلاح کے لئے

مفید ہے ۔

اسی انقلاب سے ہر فرعون محروم ہو کر جس قدر ظلم کی

خواہش اور استطاعت ہوگی کرتا رہے گا اور ظلم کا ازالہ بھی

نہیں کرتا ۔

اسلامی نظریات میں ہی امن اور زندگی ہے ۔ لیکن یہ

جمہوریت کے راستے آنے والا نہیں ہے کیونکہ اکثریت قرآن

و حدیث کی روشنی میں یہ ہے۔

أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ البقرہ – **100**

وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ آل عمران - **110**

وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞ المائدہ - **103**

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ انعام - **37**

أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۞ انعام - **111**

وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۞ المؤمنون - **70**

اکثریت اپنے جیسے کو ہی وزیراعظم وغیرہ بنائیں گے ۔

جمہوریت کے راستے اسلام نہیں آ سکتا ۔

اسلام ایک انقلابی تحریک ہے ۔ اور یہ ہمیشہ تلوار کی نوک پر ہی آتا ہے ۔

نوٹ: تمام انسانوں میں فرعونیت چھپی ہوئی ہے ۔ وحی (قرآن و حدیث) کا علم اس فرعونیت کا ازالہ کرنے میں مدد دیتا ہے جسے مغفرت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ جبکہ وحی جھٹلانے والا ازالہ نہیں کر پاتا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

رسول اللہ:

اعْبُدُوا اللہَ

اللّٰہ کی عبادت کرو۔

عبادت میں یہ بھی ہے کہ ہم صرف اور صرف اللّٰہ کے احکامات اور قوانین کے پابند ہیں ۔ باقی احکامات (مثلاً والدین ، بادشاہ ، وغیرہ) کی پابندی اللّٰہ کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اس میں اللّٰہ کی تربیت ہوتی ہے ۔

اب سوال یہ ہے کہ اللّٰہ تو ہم سے ہم کلام نہیں ہوتا کہ

ایمان بالغیب ختم ہو جائے گا ۔ تو اللہ کے احکامات کیا

ہیں ۔

اس کے لئے اللّٰہ نے اپنے احکامات کو مجسمہ بنا کر بھیجا

۔ اسی کو رسول سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

رسول اللہ سے مراد اللّٰہ کے (تشریعی) احکامات کا مجسمہ ہے

۔

انبیاء علیہم جب دعوت دیتے تھے کہ

اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾ الشعراء

108-107

ترجمہ: میں تو تمہارا امانتدار رسول (اور پیغمبر) ہوں تو

اللہ سے ڈرو اور میری تابعداری کرو ۔

"میں رسول ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ میں اللّٰہ کے احکامات

کا مجسمہ ہوں۔ اللّٰہ سے ڈرنے کا تقاضا یہ ہے کہ اللّٰہ کے

احکامات کو حق سمجھ کر (اور باقی قوانین کو باطل سمجھ

کر) تابعداری کریں اور میں چونکہ اللّٰہ کے احکامات کا

مجسمہ ہوں تو میری تابعداری اصل میں اللّٰہ کے احکامات

اور قوانین کی تابعداری ہوگئی اس لئے میری تابعداری کرو

۔

موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اور

تورات کو اللہ کے احکامات کا مجسمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے

۔ اسی طرح انجیل اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے احکامات

کا مجسمہ ہے۔

محمد ﷺ کو قرآن و حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے اور

قرآن و حدیث کو اللہ کے احکامات اور قوانین سے تعبیر

کیا جاتا ہے ۔

پہلے انبیاء خاص قوم اور دور کے لئے بھیجے جاتے تھے اور

محمد ﷺ کو تمام لوگوں اور ہر دور کے لئے بھیجا گیا ہے

یعنی قرآن و حدیث قیامت تک مناسب اور غیر منسوخ

ہے۔ اور محمد ﷺ خاتم النبیین ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الاعراف –

158

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) کہہ دو کہ لوگوں ! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے محمد ﷺ اللہ کے احکامات کا مجسمہ ہے ۔

یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ قرآن و حدیث محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے اور محمد ﷺ قرآن و حدیث کا عملی مجسمہ ہے ۔ کسی اور پر نازل ہونے کا دعویٰ کفر ہے ۔

رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر محمد ﷺ پر ایمان لایا۔

اس حدیث میں نام لکھا ہے کہ محمد ﷺ پر ہی ایمان لائے گا کہ آپ ﷺ پر قرآن و حدیث نازل ہوا ہے ۔

یہ بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ محمد ﷺ انسانوں کی طرح انسان ہے ۔ اس کی ذات نور نہیں ہے البتہ اس کی صفت نور ہے کہ قرآن و حدیث نور ہے اور محمد

ﷺ قرآن و حدیث کا مجسمہ ہے اس وجہ سے آپ ﷺ

کی صفت نور ہو گئی ۔

اسی طرح قرآن و حدیث یعنی اللّٰہ کے احکامات اور قوانین

رحمت للعالمین ہے اور محمد ﷺ قرآن و حدیث کا

مجسمہ ہونے کے سبب رحمت للعالمین ہے۔

حاصل یہ ہے کہ "اللّٰہ اور رسول" سے مراد اللّٰہ اور اللّٰہ کے

احکامات ہے۔ کہنے کا ایک اور مطلب یہ ہے "اللّٰہ اور رسول"

ایک ہی حاکم ہے۔ اللّٰہ اور رسول کو جدا کرنا یعنی دو

حاکم سمجھنا کفر ہے کہ ایک اللہ کی ذات اور دوسرا

محمد ﷺ کی ذات۔ اس کا اشارہ اس آیت میں ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ

وَرُسُلِهٖ (النساء - **150**)

ترجمہ:جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے

ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَـكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ‌ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۞ التوبہ - **62**

ترجمہ: یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں

تاکہ تم کو خوش کردیں۔ اللہ اور رسول زیادہ مستحق ہے

کہ اس کو خوش کرتے اگر وہ (دل میں) مومن ہوتے۔

(یُّرۡضُوۡہُ) میں ہُ ضمیر مفرد ہے۔

اس آیت میں اللہ اور رسول کو ضمیر مفرد میں جمع کیا۔

جس میں اشارہ ہے کہ اللہ اور رسول ایک ہی ہے جس سے

مراد (حاکمیت کے اعتبار سے) اللہ اور اللہ کے احکامات ہے۔

نہ کہ اللہ اور محمد ﷺ کی ذات۔

اور دوسری بات (منافقین) قسمیں بھی محمد ﷺ کی ذات کو خوش کرنے کے لئے کھاتے تھے ۔ پھر بھی آیت میں کہہ دیا اللہ اور رسول زیادہ مستحق ہے کہ اس کو خوش کرنے کی کوشش کیا جائے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اسی طرح جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ مومن نہیں جس کو میں سب سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ اللّٰہ کے احکامات اور قوانین (قرآن و حدیث) سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے تو وہ مومن نہیں ۔

اللّٰہ کے قوانین کو سب سے زیادہ محبوب سمجھنے کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ اللّٰہ کے احکامات اور قوانین (قرآن و حدیث) کو حق سمجھا جائے اور دوسرے تمام (غیر اللّٰہ کے) قوانین کو باطل سمجھا جائے اور یہ طے کریں کہ اپنی استطاعت کے مطابق اللّٰہ کے احکامات اور قوانین کی تابعداری کروں گا ۔

محمد ﷺ کی ذات سے محبت اللّٰہ کے لئے بندوں سے

محبت کے زمرے میں آتا ہے ۔

محمد ﷺ کی ذات سے مکہ کے مشرکین کی دشمنی نہیں

تھی بلکہ رسالت سے تھی۔

اکیلے محمد ﷺ کی ذات سے محبت فائدہ نہیں کرتا جب

تک کہ رسالت سے نہ کیا جائے ۔ رسالت سے سب سے

زیادہ محبت کرنے کا تقاضا اوپر بتایا گیا ۔

اسی طرح جس حدیث میں ہے کہ (مفہوم) اللّٰہ اور رسول کا

امن اس کو حاصل ہوا جس محارب کافر نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله

تسلیم کیا ۔

اس کا مقصد یہ ہے اللّٰہ کی عذاب سے اور اللّٰہ کے تشریعی

قوانین میں (جہاد فی قتال کے ذریعے سے) مامون ہوگیا کہ

اب یہ محارب کافر نہیں رہا اس پر مسلمانوں کے قوانین

نافذ ہوئے ۔

اسی طرح جس حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ

(مفہوم) مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی

ہے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے احکامات میں زمین کے

خزانے پوشیدہ ہے ۔ جو تشریعی خدمات میں مصروف ہو

گیا تو اللہ تکوینی خدمات اس کے تابع کرے گا ۔

محمد ﷺ کی ذاتی حکم اللہ کے حکم کی وجہ سے فرض

ہے جس طرح بادشاہ ، والدین ، خاوند وغیرہ کا حکم

فرض ہے ۔ البتہ محمد ﷺ کی ذاتی حکم دوسروں سے

ممتاز ہے لیکن اللّٰہ کے حکم کی وجہ سے ۔

محمد ﷺ جب اس دنیا میں قاضی بن کر فیصلہ کرتا

اور کوئی اس فیصلے کو تسلیم تو کرتا لیکن خوش نہ ہوتا

تو وہ مومن نہ ہوتا بلکہ منافق ہوتا ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا

يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞

ترجمہ: النساء - **65**

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

اس آیت میں محمد ﷺ کی قاضی ہونے کا امتیاز بتایا گیا ہے ۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے قوانین اور احکامات کی بجائے کسی اور قوانین کو حق سمجھ کر فیصلہ کروانا کفر ہے ۔

۔۔۔

منکرین حدیث اس بات کو سمجھتے نہیں ہے کہ حدیث

بھی اللہ کی طرف سے ہے اس لئے احادیث سے انکار کرتے ہیں

یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم صرف اور صرف اللہ کے احکامات

کے پابند ہیں ۔

حدیث بھی اللہ کے احکامات میں سے ہی ہے

جس طرح قرآن نازل ہوا ہے اس طرح بعض احادیث بھی

نازل ہوئی ہے ۔

اور اسی نازل کردہ قرآن و حدیث میں خاتم النبیین

حضرت محمد ﷺ کا اجتہاد اور فقہ بھی حدیث کہلاتا

ہے اس وجہ سے کہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی مطلق

تابعداری کا حکم دیا ہے کوئی شرط نہیں لگائی ہے لہذا

محمد ﷺ کا اجتہاد اور فقہ یعنی حدیث ہمارے لئے

حجت اور دلیل ہے۔ (مزید اس کی تفصیل کے لئے

"my work on

Volume 2 Islam" میں

حاکمیت اور حاکمیت کا مسئلہ ملاحظہ کریں)

قرآن و حدیث میں جو حکمت ہوتی ہے وہ غیر نبی ماخوذ

کریں تو فقہ کہلاتا ہے جبکہ محمد ﷺ ماخوذ کریں تو

حدیث کہلاتا ہے ۔

اور اگر بالفرض و تقدیر احادیث کا اعتبار ختم کیا جائے

تو پھر جو حکمت اور مفہوم قرآن سے نکالی جاتی ہے وہ

کس کی معتبر ہو گی جب محمد ﷺ کی حکمت معتبر

نہ ہوئی ۔

جبکہ اللہ نے قرآن میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ (مفہوم)

ہم نے اسے کتاب ، حکمت اور نبوت عطا کی۔

اس آیت میں حکمت سے مراد یہی ہے کہ کتاب کی سمجھ

عطا کی ۔

اسی سمجھ اور فقہِ نبی کریم ﷺ کو حدیث کہا گیا ہے

۔

اس پوسٹ کے چند فوائد:

نظریں اللہ پر رہے گی۔

یہ پتہ چلے گا کہ ہم غلامی کرتے کس کی ہے ۔

بریلوئیت پر رد۔ اُن کے دلائل ناکارہ ہوئے ۔

بریلوی تو صاف لفظوں میں محمد ﷺ کو اللہ کے ساتھ

(محبت/حاکمیت ، وغیرہ میں) شریک ٹھہراتے ہیں بس

اس کو عنوان کچھ اور دیتے ہیں جبکہ اکثر مسلمان اسی

محبت اور حاکمیت میں شریک تو کرواتے ہیں لیکن

سمجھتے نہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

عاشق رسول اور عاشق محمد ﷺ میں فرق:

1) رسول سے مراد اللہ کے احکامات اور قوانین ہے۔ اس لئے

عاشق رسول ﷺ سے مراد اللہ کے احکامات اور قوانین

یعنی قرآن و حدیث سے عشق کرنا ہے ۔ اور یہ اصل میں

اللہ سے عشق ہے ۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ مومن

نہیں جو رسالت یعنی قرآن و حدیث یعنی اللہ کے احکامات

اور قوانین کو سب سے زیادہ محبوب نہ سمجھیں ۔

رسالت کو سب سے زیادہ محبوب سمجھنے کا ادنیٰ تقاضا یہ

ہے کہ صرف اللہ کے احکامات اور قوانین کو حق سمجھا

جائے ۔ باقی احکامات مثلاً بادشاہ والدین خاوند وغیرہ کے

احکامات اللہ کے احکامات کا تابع کیا جائے ۔ کہ ان کے

احکامات اللہ کے قوانین کے ساتھ میچ کیا جائے ۔

عورت جب اپنے خاوند کا جائز حکم مانیں تو عورت کا یہ

نظریہ ہو کہ وہ اصل میں اللہ کی تابعداری کر رہی ہے نا

کہ خاوند کی ۔

(غیراللہ کا ناجائز حکم ناحق سمجھ کر عمل کرنا کفر

نہیں ہے اور مذکورہ ادنیٰ تقاضے کے خلاف نہیں کیونکہ

قوانین کو حق سمجھنا مقصود ہے ادنیٰ تقاضے میں)

نوٹ: حق کو حق تسلیم کرنے کے لئے ضد و عناد (تکبر ، تعصب ، شخصیت پرستی اور اب و جد) سے کفر کرنا پڑے گا ۔

کامل عاشق رسول ﷺ یہ ہے کہ اللہ کے احکامات اور قوانین یعنی قرآن و حدیث کو حق سمجھنے کے ساتھ ساتھ اپنی استطاعت کے مطابق عمل بھی کریں ۔ جتنا عمل کیا جائے اتنی محبت اور عاشقی زیادہ ہے ۔

2) عاشق محمد ﷺ سے مراد محمد ﷺ کی ذات سے محبت کرنا ہے ۔ اکیلے محمد ﷺ کی ذات سے محبت فائدہ نہیں کرتا جب تک کہ رسالت سے محبت نہ کیا جائے ۔

محمد ﷺ کی ذات سے محبت اللہ کے لئے بندوں سے محبت کے زمرے میں آتا ہے ۔ اس محبت کو خیر خواہی بھی کہتے ہیں ۔

عاشق محمد ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے لئے محمد ﷺ کو خیر پہنچایا جائے ۔ چونکہ محمد ﷺ ہماری

نیکیوں کا زریعہ ہے کہ محمد ﷺ کے ذریعے ہم تک دین

اسلام پہنچ چکا ہے اس لئے جو بھی نیک عمل ہم کرتے ہیں

وہ محمد ﷺ کے عمل نامے میں لکھا جاتا ہے جس سے

محمد ﷺ کے درجات بلند ہو جاتے ہیں ۔ درود شریف

سے بھی محمد ﷺ اور تابعدارِ محمد ﷺ یعنی

مؤمنین کے درجات بلند ہو جاتے ہیں ۔

آسان الفاظ میں نیکی کرنا محمد ﷺ سے خیرخواہی اور

محبت ہے۔

خود سے ایجاد کردہ طریقہ یعنی بدعت چونکہ نیکی نہیں ہے

اس لئے محمد ﷺ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ۔

اس لئے پہلے قرآن و حدیث میں خوب غور کریں کہ عید

میلاد النبی نیکی ہے یا نہیں اگر ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ

مناتے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو رسالت سے بھی محبت

تھی اور محمد ﷺ کی ذات سے بھی۔

ثابت کرنے کی کوشش مت کریں بلکہ اللہ کی مرضی تلاش

کریں کیونکہ قرآن و حدیث سے ثابت تو بہت کچھ کیا جا

سکتا ہے تاویلات کرکے ۔۔

طریقہ یہ ہے کہ ربی زدنی علما پڑھیں ۔ ضد و عناد سے کفر

کریں ۔

ضد و عناد کی وجوہات میں تکبر ، تعصب ، شخصیت

پرستی اور اب و جد شامل ہیں ۔

ضد و عناد سے کفر سے مراد یہ ہے کہ تکبر، تعصب ،

شخصیت پرستی اور اب و جد سے بغاوت کریں تب جا کہ

اللہ تمہیں حق واضح کرے گا ورنہ حق واضح ہونے کا

کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حق واضح ہونے میں مقصود

تسلیم کرنا ہے ۔

قاعدہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث نے جن نوافل کا وقت اور

تاریخ خاص نہیں کیا ہے تو ان نوافل کا اپنی طرف سے

وقت یا تاریخ مقرر کرنا اور پھر اس مقرر کردہ کو

دوسرے اوقات پر فضیلت دینا بدعت ہے ۔ ایصال ثواب

کے لئے صدقہ کرنے کا وقت اور تاریخ بغیر دلیل کے مقرر

کرنا بدعت ہے اس لئے بارہ ربیع الاول کو ہی صدقہ کرکے

ایصال ثواب پہنچانے کو خاص فضیلت دینا بدعت ہے ۔

قرآن و حدیث اور رسول ﷺ کی آمد پر خوش ہونے سے

مراد مطمئن ہونا ہے کہ اس کو ہی ضابطہ حیات بنانا ہے کہ

اس دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کو اپنا مقصد

بنائیں باقی تمام چیزوں کو اس کے تابع کریں مثلاً

دکانداری، مال و دولت، کھانا پینا سونا جاگنا ان سب کو

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے اظہار کے لئے کیا جائے ۔

خلاصہ: عاشق رسول ﷺ اصل میں اللہ سے عشق ہے اور

یہی عشق مطلوب اور مقصود ہے۔ مخلوق (محمد ﷺ ،

وغیرہ) سے محبت اللہ سے عشق کی وجہ سے ہے۔

اور یہی اللہ سے عشق اصل محبت ہے کیونکہ مخلوق کی

اصل محبت میں تابعداری اصل چیز ہوتی ہے کہ وہ آرڈر

لینے کا فطرتی طور پر خواہش مند ہوتا ہے ۔

یہ تابعداری والی محبت مخلوق سے جائز نہیں ہے یہ عشق

صرف اللہ سے کریں۔

مخلوق سے محبت میں اللہ کے لئے شرعی خیرخواہی ہوتی ہے

کہ محبوب کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ جنت لے جانے کی

کوشش کریں جیسے محمد ﷺ نے اپنی امت کے ساتھ

کیا۔

آسان الفاظ میں یوں کہہ کہ

مخلوق سے محبت میں اللہ کے لئے مخلوق سے خیرخواہی ہوتی

ہے اور اللہ سے محبت میں اللہ کے آرڈر اور احکامات لینے

ہیں ۔

نوٹ: اسلام میں مذکورہ محبت سے مراد دل کی دھڑکن نہیں جو حسیناؤں کے لئے دھڑکتا ہے ۔ دل کی دھڑکن والی محبت آزمائش ہوتی ہے ۔

مذکورہ بالا محبت کے تقاضوں پر عمل کرنے سے بطور سائیڈ ایفیکٹ کبھی کبھار دل میں محبت محسوس ہوتی ہے ۔ دل کی دھڑکن والی محبت، خوف، وغیرہ کے فوائد بھی ہے، جذباتی محبت سے کام روزگار میں دل لگتا ہے۔جذباتی خوف کی وجہ سے گناہوں پر رونا آسان ہو جاتا ہے۔ مزید

اس کے لئے مائی ورک ان اسلام جلد 1 میں عقلی اور

جذباتی صفات ملاحظہ فرمائیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم